نومبر ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کیبل آپریٹرز کے لئے سعادت

رمضان المبارک کے دوران ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ترجمہ و مضامین قرآن کی ریکارڈنگ نشر کر کے خدمت قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے لئے رابطہ فرمائیں۔

انجمن خدام القرآن سندھ' کراچی

فون : 021-5854036 ، 021-5855219
021-4993465 ، 021-4993464

---

۱۲ سے لے کر ۲۰ سال تک کی عُمر کے بچّوں اور نوجوانوں کے لیے قُرآنِ حکیم کا

آسان ترجمہ اور تفسیر

(جلد اوّل: سورۃ الفاتحہ تا سورۃ آلِ عِمران)

☆ قُرآنِ پاک کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ
☆ نہایت آسان زبان اور دِلنشین اندازِ بیان میں قُرآن کی تفسیر، جس سے دِین کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے
☆ ہر قِسم کے فقہی اِختلافات سے پاک۔ عشقِ رسول ﷺ سے منوّر
☆ اسکول اور کالج/یونی ورسٹی کے طلبہ کے لیے نہایت موزُوں
☆ جدید سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ۔ موجُودہ دور کی مِثالوں سے آراستہ
☆ ۳۵۸ صفحات، آفسٹ چھپائی، مجلّد، ہدیہ فی کِتاب صِرف ۱۵۵ رُوپے
☆ ملنے کا پتہ: فیروز سنز (تمام برانچز)، مقبول اکیڈمی، ماورا بکس، لائن آرٹ پریس، بک لینڈ اُردو بازار، لاہور۔ مکتبہ برھان اُردو بازار، کراچی۔ دِیگر شہروں کے دکاندار کِتاب منگوانے کے لیے بک لینڈ یا ہم سے رجوع کریں

اِدارۂ قُرآنِ حکیم، ۹۱/۱، اسلام پورہ لاہور۔ فون نمبر: ۷۱۱۶۰۵۵ (۰۴۲)

e — mail address: quraan1@hotmail.com, quraan1@yahoo.co.uk

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۹
شمارہ :	۱۱
شعبان المعظم	۱۴۲۱ھ
نومبر	۲۰۰۰ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800 روپے)

☆ سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات 17 ڈالر (600 روپے)
بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان

☆ ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 03-02-5969501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ____ ۳
حافظ عاکف سعید

☆ حقیقتِ دین (۱) ____ ۷
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحیدِ عملی (۶) ____ ۱۷
فریضہ اقامت دین سے ربط و تعلق — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ منہاج المسلم (۱۰) ____ ۴۲
قبر کا عذاب اور راحت — علامہ ابو بکر الجوائری

☆ دعوتِ فکر ____ ۴۷
جدید نظریاتی چیلنج اور علماء کرام — مولانا محمد عیسیٰ منصوری

☆ کتاب نامہ ____ ۵۳
قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر (۵)

ڈاکٹر سفر الحوالی

☆ نجومِ ہدایت ____ ۶۲
حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ — حافظ محبوب احمد خان

☆ سیرت و سوانح ____ ۷۵
سید سلیمان ندوی کے علمی کارنامے — عبد الرشید عراقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

موجودہ حکومت اس اعتبار سے ناکام ہو چکی ہے کہ اپنے ایک سالہ دور حکومت میں غریب عوام کو کوئی ریلیف نہیں دے سکی اور نہ ہی آئندہ اس سمت میں کسی بہتری کی توقع ہے بلکہ اندیشہ ہے کہ ہر آنے والے دن میں عوام پر عرصۂ حیات مزید تنگ ہوتا چلا جائے گا۔ اسی طرح مروجہ قانونی و عدالتی تقاضے پورے کرتے ہوئے احتساب کے عمل کو منطقی نتیجہ تک پہنچانے کی کوشش گویا لوہار کے ہتھوڑے کو استعمال کرنے کے بجائے سنار کی ٹھک ٹھک سے کام نکالنے کی کوشش ہے۔ کیونکہ جب تک اسلامی تعلیمات کی روشنی میں موجودہ قانونی و عدالتی نظام کی اصلاح نہیں ہوگی اس معاملے میں کامیابی کی کچھ زیادہ توقع نہیں ہے۔ آرمی مانیٹرنگ سیل کی بھی کوئی نمایاں کارکردگی تاحال سامنے نہیں آسکی۔ بظاہر بالائی سطح پر خاصی حد تک کانٹ چھانٹ کے باوجود عوام کے روزمرہ مسائل کے ضمن میں حکومتی اہلکاروں کے رویہ میں کسی نمایاں تبدیلی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ سات نکاتی ایجنڈے پر بھی اب تک جو کام ہوا ہے وہ ابتدائی نوعیت کا ہے لہٰذا اس کے ٹھوس نتائج سامنے آنے میں وقت لگے گا۔ معیشت کی بحالی کے حکومتی عزائم اور دعوے اپنی جگہ لیکن اس کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک سودی نظام کا مکمل خاتمہ نہیں ہوتا اس کی بحالی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

چیف ایگزیکٹو اور وزیر خزانہ شوکت عزیز کا یہ کہنا کہ ہم دو چار سال میں آئی ایم ایف کی غلامی سے نجات پا لیں گے طفل تسلیاں دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ہماری سابقہ تمام حکومتیں بھی ایسے ہی بڑے بڑے دعوے کرتی رہی ہیں لیکن صورت حال مسلسل بد تر ہوتی رہی۔ اگر موجودہ حکومت نے بھی سود کے خاتمہ اور نفاذ اسلام کی طرف پیش رفت نہ کی تو نہ جانے اس بار ہمارا زوال کس حد کو پہنچے۔

وزیر خزانہ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے قومی بجٹ کا ۵۵% بیرونی قرضوں کے سود کی اقساط کی نذر ہو جاتا ہے جبکہ دوسری طرف حکومت کو یہ بھی تشویش ہے کہ اگر ہم نے سودی نظام کے خاتمہ کا اعلان کیا اور آئی ایم ایف کی شرائط پوری نہ کیں تو ہمیں مزید قرض نہیں ملے گا اور ہم ڈیفالٹ ہو جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ڈیفالٹ ہونے سے آخر کون سی قیامت آجائے گی۔ اور ویسے بھی ڈیفالٹ ہونے کے بعد ملکی صنعت' زراعت اور عام غریب آدمی کا اس سے زیادہ کیا برا حال ہو گا جیسا اب ہے۔ للذا سودی نظام کا خاتمہ اور سودی قرضوں کی ادائیگی سے صاف انکار کرنا ہی ہمارے مسائل کا واحد حل ہے' خواہ ہمیں ڈیفالٹ قرار دے دیا جائے۔ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔

مشرق وسطیٰ کے حالات بڑی تیزی سے اس بڑی جنگ کی طرف جا رہے ہیں جس کا احادیث میں الملحمة العظمی اور انجیل میں آرمیگاڈان کے نام سے تذکرہ موجود ہے۔ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں عالمی ضمیر بالکل مردہ ہو چکا ہے۔ امریکہ اور عالمی طاقتوں کی جانبداری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فلسطین میں اسرائیلی حملوں کے نتیجے میں سو سے زائد فلسطینی مسلمانوں کی شہادت پر امریکہ نے قرارداد مذمت پاس نہیں ہونے دی۔ جبکہ دوسری طرف صرف تین اسرائیلی مارے گئے تو صدر کلنٹن نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانوں پر اس ظلم و ستم کی وجہ ایمان اور دین کے تقاضے پورے نہ کرنا ہے۔ اگر ہم آج بھی دین و ایمان کے تقاضے پورے کریں تو اللہ نے قرآن میں اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ تم ہی غالب و سربلند رہو گے اگر تم واقعتاً مومن ہو۔ للذا آج ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس کے دین کی سربلندی کے لئے باطل کے سامنے ڈٹ جائے' ان شاء اللہ آخری فتح مسلمانوں کی ہو گی۔

☆ ☆ ☆

ملکی و بین الاقوامی حالات کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے ۲۰/ اکتوبر کے خطاب جمعہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے تمام صوبوں اور قومیتوں کو آپس میں مربوط رکھنے والی شے اسلام ہے۔ نفاذ اسلام سے گریز اور اس سے غداری کی پاداش میں اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں ہم پر برس چکا ہے اور اب کوئی سخت تر عذاب ہم پر مسلط ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وطن عزیز کو درپیش خطرات سے بچانے کی خاطر ہمیں تین کام کرنا ہوں گے - ایک یہ کہ ملک میں نفاذ اسلام کی طرف فی الفور مثبت اور پر خلوص پیش رفت کی جائے۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی خاموش اکثریت میں ملک کے لئے اس قربانی کا جذبہ بیدار ہو گا جو قوموں کی ترقی میں سنگ میل ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صوبائیت کی لعنت سے چھٹکارا پانے کے لئے صوبوں کو مزید تقسیم کر کے تقریباً ایک ایک کروڑ کی آبادی کے صوبے بنا دیئے جائیں۔ تیسرا کام یہ کرنا ہو گا کہ ملک میں صدارتی نظام رائج کر دیا جائے کیونکہ یہ نظام اسلامی نظام خلافت سے قریب ترین ہے۔

۲۷ اکتوبر کے خطاب جمعہ میں امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ریڈیو صدائے کشمیر پر اس پروپیگنڈے سے کہ مقبوضہ کشمیر کے عوام پاکستان کے ساتھ الحاق کی بجائے خود مختاری چاہتے ہیں' ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ کی کشمیر پر نیت خراب ہے اور وہ یہاں ایک آزاد ریاست قائم کر کے اپنا اڈہ قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ ایشیا پر مکمل کنٹرول حاصل کر سکے۔ دوسری طرف روس کے وزیر دفاع کی نقل و حرکت اور ازبکستان میں امریکہ کے جہازوں کی آمد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طالبان کے خلاف کوئی بہت گہری سازش تیار کی جا رہی ہے' لیکن امریکہ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ افغان قوم کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ افغانستان پر کسی امریکی حملے کی صورت میں پاکستان کے لئے بڑی کڑی آزمائش کا وقت ہو گا۔ پوری دنیا دونوں ممالک کو یک جان دو قالب قرار دے رہی ہے لہٰذا اگر پاکستان نے اس مشکل وقت میں افغانستان کی مدد نہ

کی تو امریکہ ہمیں بھی جینے نہیں دے گا۔

فلسطین کے حالات انتہائی مخدوش ہو چکے ہیں کیونکہ امریکی کانگریس نے اسرائیل کے حق اور فلسطین کی مذمت میں قرارداد پاس کر کے قیام امن کی تمام کوششوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں ایک طرف یاسر عرفات' حماس اور اسلامی جہاد سے مل کر فلسطینی قوت کو یکجا کر رہے ہیں اور دوسری طرف ایہود باراک امن مذاکرات کی مخالف اپوزیشن قوتوں سے مل کر قومی حکومت بنانا چاہتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں امن کا اب کوئی امکان نہیں۔ مزید برآں فلسطینیوں کے قتل عام پر عربوں نے کوئی سخت موقف اختیار نہ کر کے جو کم ہمتی دکھائی ہے اس کے نتیجے میں فلسطینیوں کے سامنے اب صرف دو راستے کھلے رہ گئے ہیں۔ ایک راستہ یہ ہے کہ فلسطینی مسلمان اسرائیلیوں کے زیردست بن کر رہنا اور دائمی ذلت کی زندگی گزارنا گوارا کرلیں جبکہ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ عزت اور غیرت کی موت کو گلے لگالیں۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ فلسطینیوں کے قتل عام پر عالم اسلام کا ضمیر جاگ اٹھے اور ذلت و مسکنت جو امت مسلمہ کا مقدر بن گئی ہے اس سے چھٹکارا مل جائے۔

تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر واقع گڑھی شاہو لاہور میں

5 تا 11 نومبر 2000ء

مبتدی تربیت گاہ

منعقد ہو رہی ہے' رفقاء شرکت کا اہتمام فرمائیں

المعلن : ناظم دعوت و تربیت' تنظیم اسلامی پاکستان

پاکستان ٹیلیویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلہ وار پروگرام

حقیقتِ دین

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(۱)

خطبہ مسنونہ اور تعوّذ و تسمیہ کے بعد فرمایا :

معزّز حاضرین و محترم سامعین! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

حقیقتِ دین کے جامع عنوان کے تحت گفتگو کے جس سلسلے کا اللہ کا نام لے کر آج ہم آغاز کر رہے ہیں' اس کی ابتداء میں مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس عنوان کا اصل مفہوم سمجھ لیا جائے۔

"حقیقتِ دین" دراصل فارسی ترکیب ہے۔ اسے اگر ہم سلیس اور عام فہم اردو میں منتقل کریں گے تو اس کے معنی ہوں گے "دین کی حقیقت"۔ یہ دونوں الفاظ یعنی "حقیقت" اور "دین" نہ صرف یہ کہ ادبی اور کتابی اردو میں مستعمل ہیں بلکہ ہماری عام بول چال میں بھی کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بہتر ہو گا کہ ہم ان کے مفہوم کے بارے میں غور کریں۔ "حقیقت" کہتے ہیں کسی شے کی اصلیت کو۔ انگریزی میں اس کے لئے "reality" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ایک بہت بڑے فلسفی "بریڈلے" کی کتاب کا نام بھی "Appearance and Reality" ہے۔ ایک تو کسی شے کا ظاہر ہوتا ہے کہ جو نظر آتا ہے اور ایک اس کی باطنی روح ہوتی ہے جو اُس میں مضمر اور چھپی ہوئی ہوتی ہے۔

"دین کی حقیقت" کے موضوع کے ضمن میں کئی مباحث آجائیں گے۔ مثلاً یہ کہ دین کی اصل بنیاد کیا ہے؟ دین کی جڑ اور اساس کیا ہے؟ دین کے اہداف اور مقاصد کیا ہیں؟ اس کا مقصود اور مطلوب کیا ہے؟ اس کی باطنی روح کیا ہے؟ اور یہ باطنی روح

انسان کی روش ' رویّے اور طرزِ عمل میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر ظاہر ہو کر کیا شکل اختیار کرتی ہے اور پھر اس سے کیسا خارجی نظام وجود میں آتا ہے؟ ——— گویا مذکورہ بالا معاملات پر ان شاء اللہ العزیز ہم اس سلسلۂ گفتگو میں بحث کریں گے۔

''دین'' کا اساسی اور اصطلاحی مفہوم

مذکورہ ترکیب میں دوسرا لفظ ''دین'' ہے۔ دین ایک اصطلاح کی حیثیت اور حقیقت رکھتا ہے۔ اور اگر کسی بھی علم یا فن کی کسی خاص زبان میں اصطلاحات وضع کرنی ہوں تو اُس زبان میں پہلے سے جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں انہی کو چن کر اُن میں اضافی معنی داخل کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اس طرح جو اضافی مفاہیم پیدا ہوتے ہیں انہیں اصطلاحات کی شکل دے دی جاتی ہے۔ یہ اصطلاحات خواہ فزکس کی ہوں خواہ کیمسٹری یا بیالوجی کی' ظاہر ہے کہ آپ جس زبان میں اِن علوم کی اصطلاحات وضع کرنے چلے ہیں اس زبان میں پہلے سے موجود مستعمل الفاظ میں سے کچھ الفاظ چن کر اور پھر اُن میں کچھ اضافی مفہوم شامل کر کے انہیں اصطلاحات کی شکل دیں گے۔

اب اس لفظ ''دین'' پر اس اعتبار سے غور کرتے ہیں کہ عربی زبان میں ''دین'' کا بنیادی مفہوم کیا ہے۔ لفظ ''دین'' کا بنیادی مفہوم ''بدلہ'' ہے' کسی اچھّی چیز کا اچھّا بدلہ یعنی جزا اور بُرے کام کا بُرا بدلہ یعنی سزا۔ چنانچہ اس لفظ کا عربی زبان میں لغوی مفہوم بدلہ یا جزا یا سزا ہے۔ اسی معنی میں قرآن مجید کی ام الکتاب اور اساس الکتاب سورۂ مبارکہ یعنی سورۃ الفاتحہ جو ہماری نماز کا جزوِ لاینفک اور جزوِ لازم ہے' میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے : ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ اللہ جزاو سزا کے دن کا مالک ہے' مختارِ مطلق ہے' بدلے کے دن اسی کے ہاتھ میں اختیار ہو گا۔ ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ ''آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ (اور گویا صورت یہ ہو گی کہ آج) اختیار صرف اللہ الواحد القہار کے ہاتھ میں ہے''۔ اسی معنی میں آخری پارے کی چھوٹی سی سورۃ (الماعون) کے آغاز میں یہ لفظ استعمال ہوا : ﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ ﴾ ''کیا تم نے غور کیا اس شخص کے معاملے

میں کہ جو جزا و سزا کا منکر ہے؟ (بدلے کا منکر ہے) وہی ہے جو یتیموں کو دھتکارتا ہے' دھکّے دیتا ہے' اور مسکینوں کو (بھوکوں کو) کھانا کھلانے کی (خود تو کیا ہمت کرے کسی کو) ترغیب بھی نہیں دیتا۔"

یہ ہے اس لفظ کا اصل اساسی و بنیادی مفہوم۔ اسی اعتبار سے جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں "جیسا کرو گے ویسا بھرو گے" عربی میں بھی کہاوت ہے کہ "کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ" یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت کے ایک عرب شاعر کا مشہور مصرع ہے ؎ "دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا" "ہم نے بھی اُن کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا"۔

اسی طرح جب آپ کسی شخص کو کوئی تحفہ یا ہدیہ دیتے ہیں تو ظاہر ہے واپس لینے کے لئے نہیں دیتے' لیکن جب آپ قرض دیتے ہیں' تو چونکہ اس میں پہلے سے یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ اس کو واپس آنا ہے' لہٰذا اُسے "دَین" کہتے ہیں۔ اور بدلہ بھی درحقیقت کسی عمل کا وہ نتیجہ ہوتا ہے جو اس عمل کا ارتکاب کرنے والے کی جانب واپس لوٹتا ہے۔ یعنی اگر اچھّا کام کیا ہے تو اُس کی جزا اور اگر بُرا کام کیا ہے تو اُس کی سزا اُس کی طرف لوٹے گی۔ اسی لئے قرض کو بھی "دَین" کہا جاتا ہے' کیونکہ قرض پر دی ہوئی شے قرض دینے والے کی طرف واپس لوٹتی ہے۔

اب اگر اس لفظ کا بنیادی اور اساسی مفہوم بدلہ اور جزا و سزا ہے تو اس میں یہ چیز بھی خود بخود موجود ہوگی کہ یہ جزا یا سزا کسی قانون کے تحت ہوگی اور اس کا کوئی ضابطہ ہوگا۔ لہٰذا یہیں سے اس میں ایک ضابطے اور قانون کا مفہوم شامل ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ تصور بھی مستلزم ہے کہ کوئی قانون دینے والا ہوگا' کوئی مطاعِ مطلق ہوگا کہ جس کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ قانون بنائے اور اس کی اطاعت لازم ہو۔ اسی سے اس کے اندر "اطاعت" کا مفہوم بھی شامل ہو گیا۔ اس لفظ دین میں مذکورہ بالا تمام مفہوم شامل کئے گئے ہیں۔ اور قرآن مجید میں جب یہ لفظ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ "جب کسی ہستی یا کسی ادارے کو مختارِ مطلق' مطاع اور حاکم (sovereign) مان کر اُس کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کے مطابق زندگی کا پورا نظام'

خاکہ اور ڈھانچہ بنایا جائے گا تو وہ اس ہستی یا ادارے کا دین ہو گا"۔

قرآن مجید میں سورۂ یوسف میں یہ لفظ قانون کے معنوں میں آیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر میں ایک بادشاہی نظام قائم تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے' ان کے وسیع اختیارات ہوتے تھے' Sovereignty انہی کی ہوتی تھی۔ وہ جو چاہتے حکم دیتے اور جس قانون کو چاہتے نافذ کرتے۔ چنانچہ جس وقت مصر میں قحط پڑا اور اس کے بعد فلسطین سے حضرت یوسفؑ کے بھائی راشن حاصل کرنے کے لئے وہاں آئے تو حضرت یوسف نے اپنے حقیقی چھوٹے بھائی (بن یامین) کو روک لینا چاہا۔ قرآن مجید اس واقعے سے متعلق بیان فرماتا ہے کہ : ﴿ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ اُس وقت مصر میں بادشاہت کا نظام نافذ تھا' اور یہاں کے قانون کے تحت حضرت یوسفؑ کے لئے اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لینا ممکن نہیں تھا' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حیلہ سجھایا۔ اور چونکہ حیلہ بہانہ ایک ایسی شے ہے جس کو نبی کے ساتھ منسوب کرنے سے اُن کی بلند شخصیت اور اُن کے مقامِ عصمت پر تھوڑی سی آنچ آنے کا گمان ہوتا ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ "اسی طرح ہم نے یوسف کے لئے حیلہ بنا دیا' اُس کے لئے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکے اُس شاہی نظام اور قانون کے تحت جو اُس وقت وہاں رائج تھا۔"

پھر قرآن مجید کے آخری پارے کی چھوٹی سی سورۃ یعنی "سورۃ النّصر میں یہ لفظ "دین اللہ" کی ترکیب کی صورت میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ ﴾ یہ "دین اللہ" کیا ہے؟ دین اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو حاکمِ مطلق مانا جائے' Sovereignty اسی کے لئے تسلیم کی جائے ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری

اس کے دیئے ہوئے قوانین' ہدایات اور اوامر و نواہی پر مبنی معاشرت' معیشت

اور سیاست و ریاست کے ڈھانچے کی تشکیل کی جائے۔ یعنی اگر اللہ کو حاکم مطلق اور حاکم حقیقی مان کر اس کی اطاعت پر مبنی مکمل نظامِ زندگی ترتیب دیا جائے تو یہ دین اللہ ہو گا۔

اب اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ اس دین کا نام اسلام ہے۔ سورۂ آل عمران میں اسے مثبت انداز میں بھی بیان کیا گیا اور منفی انداز میں بھی۔ مثبت انداز میں فرمایا : ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ "اللہ کے نزدیک دین حق اور دین صحیح اسلام ہی ہے۔" اور منفی انداز میں فرمایا گیا : ﴿ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ "جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا"۔ یعنی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہو گا۔

ایک اور نقطہ کہ جسے سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے' حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رُسل ایک ہی دین لے کر آئے۔ ان سب کے دین میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ دنیا میں جتنے بھی مذاہب یا ادیان پائے جاتے ہیں وہ اسی دین کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ ان میں انحراف و تحریف ہو گئی ہے۔ اب ان میں سے بعض تو وہ ہیں کہ جو تحریف کی وجہ سے اتنے بدل گئے ہیں ع

کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!

اور اب ان کا اسلام تعلیمات سے کوئی دُور کا تعلق جوڑنا بھی محال ہے۔ لیکن بعض ایسے ہیں جو خاصے قریب بھی ہیں اور جن کی پہچان بھی ہو سکتی ہے' جیسے تین ابراہیمی ادیان کہلاتے ہیں' یعنی یہودیت' عیسائیت اور اسلام۔ ان تینوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ دنیا میں چاہے کوئی بھی دین ہو وہ اسی دین اسلام کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لئے کہ ابتداء میں جب حضرت آدمؑ سے تاریخ انسانی کا آغاز ہوا تو دین اسلام ہی تھا' اس کے بعد لوگوں نے مختلف راہیں نکال لیں اور مختلف پگڈنڈیوں پر چلے گئے جس سے مختلف شکلیں بن گئیں۔ اس حقیقت کو سورۃ الشوریٰ کی اس عظیم آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

﴿ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ۔ ۔ ۔ ۔ ﴾ (آیت : ۱۳)

"(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہارے لئے وہی دین معین کیا ہے جس کی اس نے وصیت کی تھی نوح کو اور جس کی وحی ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کو کی ہے اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو' تاکہ قائم کرو (یا قائم رکھو) اس دین کو' اور اس کے معاملے میں متفرق نہ ہو جاؤ۔"

کہیں فرقہ فرقہ نہ بن جاؤ' یعنی دین ایک ہی رہنا چاہئے۔

دین اور شریعت کا فرق

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے' وہ کہ اگر یہ دین ایک ہی تھا' یعنی موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کا دین ایک ہی تھا تو احکام میں فرق کیوں ہے؟ یہاں اب ایک دوسرے لفظ "شریعت" کو بھی جان لینا چاہئے۔ دراصل حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک دین ایک ہی رہا ہے' لیکن شریعتیں جُدا جُدا رہی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ پر جب اس دین کی تکمیل ہو گئی تو اب قیامِ قیامت تک دین تو وہی رہے گا' لیکن شریعتیں مختلف ہیں' جس کے لئے سورۃ المائدہ میں فرمایا گیا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا﴾ "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک منہاج یعنی ایک طریقہ کار معین کر دیا ہے" یہ سورۃ المائدہ کے ساتویں رکوع کی آیت کا ٹکڑا ہے۔ اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضور ﷺ کا ذکر ہے۔ فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت' منہج اور طریقہ کار معین کر دیا گیا ہے۔ دین ایک ہی ہے' لیکن شریعتیں جدا ہیں۔

اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے آج کل دنیا میں یہ تصور ہے کہ ہر ملک کا ایک آئین یعنی دستور ہوتا ہے' اس دستور میں عام طور پر تبدیلی نہیں کی جاتی اور تبدیلی کا طریقہ کار انتہائی مشکل رکھا جاتا ہے' لیکن اس دستور کے تحت قوانین بنتے رہتے ہیں' اور ان میں تغیّر و تبدّل بھی ہوتا رہتا ہے' مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں قانون کی فلاں دفعہ کے اندر یہ تبدیلی ہو گئی۔ چنانچہ دستور تو وہی رہتا ہے لیکن قوانین بنتے بھی رہتے ہیں اور تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا دین تو حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کا ایک ہی تھا' لیکن شریعتِ موسوی اور شریعتِ محمدی میں فرق ہے۔ اس کو اس طرح بھی

سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے ہم کہیں کہ ہمارا دین ایک ہے لیکن مختلف مسالک جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سلفی، جعفری وغیرہ قوانین کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان مسالک میں تو فرق ہے لیکن دین ایک ہی ہے، اس کے اندر کوئی فرق و تفاوت نہیں۔ اس دین کی نظریاتی، علمی، فکری یا فلسفیانہ بنیاد موجود ہے، جس کا نام ایمان ہے۔ اس ایمان کا جب انسان کے عمل میں انفرادی اور اجتماعی طور پر ظہور ہوتا ہے، اور پھر اس سے جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی نظام وجود میں آتا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ اور یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں میں سلامتی، Peace اور امن کا مفہوم موجود ہے۔ گویا ہمارے دین کی دونوں اصطلاحات امن اور سلامتی پر مبنی ہیں۔

سوالات

سوال : جب ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین ایک ہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مکمل اور کامل بھی کردیا ہے تو پھر ہمارے ہاں مختلف فرقے کیوں پیدا ہو گئے ہیں؟

جواب : ہمارے ہاں ایک تو فقہی اصطلاحات اور تعبیرات کے حوالے سے مختلف مسالک بن گئے ہیں، جیسے مسلک، حنفی، مسلک شافعی وغیرہ، یہ دراصل فرقے نہیں ہیں۔ فرقہ بندی وہ ہوتی ہے کہ جہاں ضد پیدا ہو جائے اور جہاں صرف اپنے آپ کو مسلمان اور دوسروں کو غیر مسلم یا کافر سمجھا جانے لگے۔ اور اس کا قرآن مجید میں چار جگہ جو سبب بیان کیا گیا ہے وہ ہے ﴿ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ﴾ یعنی لوگوں کے اندر ضِدّم ضِدّا اور بالادستی کی خواہش کا پیدا ہو جانا کہ میں فلاں کی بات کیوں مانوں، وہ میری بات کیوں نہ مانے، یہی سبب ہے کہ جس سے تفرقہ بازی پیدا ہوتی ہے اور اس کی قرآن مجید میں شدید مذمت آئی ہے، یہاں تک کہ اسے شرک کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

سوال : دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟

جواب : مذہب اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے لیکن پورے قرآن مجید میں کہیں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ مذہب انگریزی زبان کے لفظ religion کا صحیح صحیح ترجمہ ہے۔ اس کے بارے میں دنیا میں یہ تصور پایا جاتا ہے کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہوتا ہے اور

اس میں صرف تین چیزیں شامل ہیں : (۱) عقیدہ (dogma)' (۲) مراسم عبودیت (rituals)' (۳) سماجی رسومات (social customs)۔ مثلاً یہ کہ جب بچہ پیدا ہو گا تو کیسے اس کی تقریب منائی جائے گی' اور اگر کوئی شخص مر گیا تو اس کی لاش (dead body) کو کیسے تلف (dispose off) کیا جائے گا۔ یہ سماجی رسومات ہیں۔ تو گویا مذہب محض چند عقائد' مراسمِ عبودیت اور کچھ سماجی رسومات پر مبنی ہوتا ہے' لیکن دین میں مذہب کے علاوہ پورا اجتماعی نظامِ زندگی بھی شامل ہوتا ہے' یعنی معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ریاستی نظام۔ گویا اس اعتبار سے مذہب ایک جزوی جبکہ دین ایک کُلّی حقیقت ہے۔

سوال : آدم تا ایں دم دین ایک ہے تو کیا باقی مذاہب اور باقی ادیان کے ساتھ اشتراکِ عمل ہو سکتا ہے؟

جواب : انسانی اخوات کی بنیاد پر اشتراکِ عمل کا معاملہ کیا جا سکتا ہے' لیکن صحیح اور حقیقی اشتراک جس کی طرف آپ کا اشارہ ہے اس کی تلقین قرآن حکیم کی سورۂ آلِ عمران میں ان الفاظ میں کی گئی ہے :

﴿ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ﴾

"کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں' اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کو چھوڑ کر رب نہ بنائے"۔

تو ہماری حیثیت ان کے لئے داعی کے ہوگی کہ اے لوگو! آؤ ہم اس ایک بات پر جمع ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ کہ ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنالیں۔ یہ بات ہے کہ جس پر ہم جمع ہو سکتے ہیں۔ اس طرح تو گویا تمام ادیان جمع ہو کر ایک ہی دین کی شکل اختیار کر لیں گے اور اسی کی خبر نبی اکرم ﷺ نے دی ہے کہ قیامت سے قبل ایسا ہو گا کہ دین اسلام میں باقی سب لوگ داخل ہو جائیں گے اور پورے کرۂ

ارضی پر ایک ہی دین ہو گا اور وہ اسلام ہو گا۔

سوال : جب دین ایک ہے تو مختلف ادوار میں شریعتیں کیوں مختلف رہی ہیں ؟

جواب : آپ کا سوال سابق شرائع سے متعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نوعِ انسانی نے دراصل مختلف ارتقائی مراحل طے کئے ہیں' جیسے بچّہ ہوتا ہے' پھر اس کی عمر ذرا بڑی ہوتی ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو سکول میں داخل کیا جائے' پھر وہ بالغ ہوتا ہے' تو اسی طرح نوع انسانی نے دو اعتبارات سے ارتقائی مراحل طے کئے ہیں۔ ایک ذہنی اور فکری اعتبار سے اور دوسرے تمدنی اعتبار سے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ غاروں میں رہتے تھے' کسی قسم کا کوئی نظام موجود نہیں تھا' نہ کوئی میونسپل کارپوریشن تھی اور نہ ہی اس طرح کا کوئی اجتماعی فلاحی ادارہ۔ پھر اس کے بعد قبیلے کا نظام آیا' اور پھر چند قبیلوں نے ایک شہر میں رہنا شروع کر دیا تو پھر شہری ریاستوں کا تصور ابھرا۔ بعد ازاں عظیم مملکتیں وجود میں آئیں۔ تو اس طرح ہر دور کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ہدایات دی ہیں۔ جنہیں ہم شریعت نوح یا شریعت موسیٰ کہتے ہیں یہ گویا اُس مخصوص عارضی دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایات تھیں۔ پھر آخر کار محمد رسول اللہ کی بعثت اُس وقت ہوئی کہ جب انسان دونوں اعتبارات سے بلوغ کو پہنچ گیا۔ اس کا تمدنی نظام بھی اس حد تک پہنچ گیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں سلطنتِ روما اور سلطنتِ کسریٰ دو عظیم سلطنتیں قائم تھیں اور ذہنی اعتبار سے بھی انسان اتنا بالغ ہو گیا تھا کہ اس کو آخری ہدایات اس قرآن اور دین کی شکل میں دے کر چھوڑ دیا گیا کہ مزید تفاصیل کے لئے وہ اجتہاد کرے ؎

نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃٌ لِّلعالمیں!

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود لے لی۔

سوال : دین کی اساس کن باتوں پر ہے ؟

جواب : ہر نظام کی ایک فطری اساس ہوتی ہے۔ دین بھی ایک نظام ہے اور دینِ حق یعنی دین اللہ یا اسلام کی فطری' ذہنی' نظری' علمی اور فلسفیانہ اساس کا نام ایمان ہے۔

سوال : شریعت کا مفہوم کیا ہے ؟

جواب : شریعت وہی لفظ ہے جس سے شارع بنا ہے۔ "شارع" راستے کو کہا جاتا ہے' جیسے ہم کہتے ہیں کہ یہ شارع عام نہیں ہے۔ اور شریعت کا مطلب "چلنا" ہے۔ چنانچہ دین کی وہ عملی ہدایات کہ جن سے انسان کا انفرادی اور اجتماعی عمل معیّن ہوتا ہے اسے شریعت کہا جاتا ہے۔ دینِ موسوی کی وہ عملی ہدایات اور اوامر و نواہی کہ جنہیں "احکامِ عشرہ" (Ten Commandments) کہا جاتا ہے' یعنی یہ کرو' یہ نہ کرو' یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں شریعت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

اختتامیہ : حضرات! میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر تشریف لائے۔ آج جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کی حیثیت تمہید کی ہے۔ ہماری اصل گفتگو کا آغاز اگلی نشست سے ہوگا اور وہ یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان سے بہرہ ور فرمائے تاکہ ہمارا دین واقعی جاندار' فعال اور زندہ دین بن جائے۔ آمین یا ربَّ العالمین!

بقیہ : فریضہ اقامت دین

دین کے کھاتے میں۔ فرض کیجئے کوئی ایک شخص کسی ایک جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آجاتا ہے اور کوئی دوسرا شخص کسی دوسری جماعت کے ذریعے سے دین کے قریب آیا تو کام تو جمع ہو ہی گئے' چاہے وہ قافلے جمع نہ ہوئے ہوں۔

حاصلِ گفتگو

شروع میں ذکر ہو چکا ہے کہ اقامت دین کے موضوع پر یہ تین آیات اہم ترین ہیں۔ اس کے مخاطبین' اس کے مخالفین' مخالفت کی وجوہ' تفرقہ کا سبب' ان سب کا علاج' پھر جو داعی ہو اس کا کردار' اس کو کن باتوں کو ملحوظ رکھنا ہے' ان تین آیات میں یہ تمام مضامین آگئے ہیں' بس غور و فکر اور تدبر سے انہیں ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

(جاری ہے)

توحیدِ عملی
کا فریضۂ اقامتِ دین سے ربط و تعلق

سورۃ الشوریٰ آیات ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(چھٹی قسط)

اب ان حالات اور اس پس منظر میں آنحضور ﷺ کو کیا کرنا ہے؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ قرآن مجید کی یہ بڑی عجیب آیت ہے۔ عجیب کے لفظ سے کہیں آپ کوئی اور مفہوم نہ لے لیں۔ عربی میں عجیب کے معنی ہیں بہت دلکش' بڑی پیاری' دل کو لبھانے والی بات۔ ہمارے ہاں عجیب و غریب کے مفہوم میں حیرت کا جو مفہوم پایا جاتا ہے اسے اپنے ذہن سے نکال دیجئے۔

سب سے دلکش ایمان

اس لفظ عجیب پر ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ تصور کیجئے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ مسجدِ نبویؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جلوہ افروز ہیں —— آپؐ صحابہؓ سے سوال فرماتے ہیں کہ "تمہارے نزدیک سب سے زیادہ اَعجب ایمان کس کا ہے؟" —— یہ بھی حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ایک انداز ہے —— !اَعجب' عجیب کا اسم تفضیل ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرما رہے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے خیال میں سب سے زیادہ پیارا' سب سے زیادہ دلکش ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: فرشتوں کا۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہ لائیں گے' وہ تو اپنے رب کے پاس ہیں!" یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ان کے لئے غیب میں ہوتے ہوئے بھی مشہود ہے۔ وہ ہر لحہ اور ہر آن تجلیاتِ ربّانی کا

مشاہدہ کرتے ہیں۔ احکامِ الٰہی اُن کے پاس براہِ راست آتے ہیں' جن کی وہ تنفیذ کرتے ہیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے حقائق منکشف ہیں۔ وہ ایمان رکھتے ہیں تو کون سا کمال کرتے ہیں۔ اگر ابوجہل کے سامنے بھی جہنم لے آئی جائے تو وہ فوراً ایمان لے آئے گا۔ لہٰذا اُن کے ایمان کے اَعجب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا : فَالْاَنْبِیَاءُ "پھر نبیوں کا ایمان" تو حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَالَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْیُ یَنْزِلُ عَلَیْھِمْ)) "وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ وحی اُن پر نازل ہوتی ہے"۔ یعنی انبیاء پر اللہ کا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے' انہیں غیب کی خبریں دیتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کا اُن کو مشاہدہ کراتا ہے' لہٰذا اُن کا ایمان اَعجب کیسے ہو گا! تیسری بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا : فَنَحْنُ "پھر ہم ہیں" ہمارا ایمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا : ((وَمَالَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ)) "تم کیسے ایمان نہ لاتے جب کہ مَیں تمہارے مابین موجود ہوں"۔ اب نبی اکرم ﷺ نے خود جواب دیا —— اصل بات جو سمجھانا مقصود تھی وہ یہ کہ ((اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا یَاْتُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْهِ کِتَابُ اللّٰهِ فَیُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْھَا)) "میرے نزدیک سب سے زیادہ دلکش ایمان والے وہ ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے' اُن کو تو اوراق ملیں گے جن میں اللہ کی کتاب درج ہو گی اور وہ اس پر ایمان لائیں گے"۔ یہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان اَعجب یعنی سب سے دلکش ہو گا۔

اس مقام پر ایک اہم بات سمجھ لیجئے کہ یہاں افضلیت کی بات نہیں ہو رہی' دلکش ہونے کی بات ہے۔ افضل ایمان پوری اُمت میں سے یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کا ایمان بھی بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔ یہاں میں نے سمجھانے کے لئے "ادنیٰ" کا لفظ استعمال کیا ہے' ورنہ کسی صحابی کے لئے ادنیٰ کا لفظ بھی مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ افضلیت بالکل جُدا بات ہے اور یہ شرف صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے۔ ایمان کا پیارا ہونا' دلکش ہونا یہ بالکل دوسری بات ہے' اس کو confuse نہ کر لیجئے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس موجود تھے۔ آپؐ خود اپنی ذات میں ایک معجزہ ہیں' عظیم ترین معجزہ' لہٰذا

ان کیلئے ایمان لانا آسان تھا ان کی بہ نسبت جو بعد میں آئیں گے' جو نہ تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور نہ انہوں نے آنجناب ﷺ کے چہرۂ انور کا دیدار کیا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرضِ منصبی: دعوت اور قیامِ عدل

نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہو رہا ہے۔ طویل آیت ہے اور اس میں نہایت اہم مضامین جامعیت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ آیت کا آغاز ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ سے :

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ﴾ "پس (اے محمدؐ ﷺ) آپ اسی کی دعوت دیتے رہیے۔"

آیت کے اس حصے کو سمجھنے کے لئے توحید کی دو شاخیں ذہن میں رکھئے۔ پہلی توحید علمی یا نظری یا توحید فی المعرفتہ یا توحید فی العقیدہ ــــ دوسری توحید عملی ــــ پھر اس توحید عملی کی بھی دو شاخیں ہیں ــــ ایک توحید انفرادی وذاتی' دوسری توحید اجتماعی۔

ذاتی و انفرادی توحید یہ ہے کہ اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کی جائے' اپنی اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ "پس اللہ کو پکارو اس کے لئے دین (اپنی بندگی) کو خالص کرتے ہوئے۔ آگاہ رہو! دینِ خالص اللہ کا حق ہے!" آپ نے انفرادی سطح پر یہ کرلیا تو آپ کی ذات کی حد تک عملی توحید نافذ ہو گئی۔ اب عملی توحید کی دوسری منزل یہ ہے کہ اجتماعی نظام پر بھی اس کو قائم اور نافذ کرو۔ پورا نظامِ زندگی اس کا مظہر بن جائے کہ ﴿ لِيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ــــ یہ ہو گی توحید اجتماعی' یہی اقامت دین ہے۔ اسی کا حکم سورۃ الشوریٰ کی آیت ﴿ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ میں آیا ہے۔

توحیدِ عملی کی انفرادیت سے اجتماعیت تک پیش رفت کے مابین نقطۂ ماسکہ (Link) کیا ہے؟ وہ ہے دعوت ــــ ایک فرد نے ذاتی طور پر توحید اختیار کی تو فطری تقاضا یہ ہو گا کہ وہ اس کی طرف دوسروں کو بلائے' دوسروں کو اس کی دعوت دے' ان کو بھی توحید کی طرف راغب کرے' انہیں بھی اللہ کی بندگی کی طرف پکارے۔ پھر جو اس دعوت پر لبیک کہیں ان کو وہ مجتمع کرے' ان کو منظم کرے' ان کی تربیت کرے۔ یہاں دعوتِ محمدیؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین مراحل کا ذکر آگیا۔ پھر اس کے لئے لازم ہو گا کہ وہ ان

تین مراحل سے گزر کر ایک طاقت فراہم کرے اور نظامِ باطل کو تلپٹ کر کے رکھ دے ' اسے بیخ و بُن سے اکھیڑ کر دین اللہ کو قائم کر دے ' تاکہ اجتماعی توحید کی تکمیل ہو جائے۔ اب انفرادی توحید اور اجتماعی توحید کے درمیان نقطۂ ماسکہ دعوت ہے۔ سورۂ حٰم السجدۃ کی آیت ۳۳ کو ذہن میں رکھئے۔ فرمایا : ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ﴾ اور یہاں فرمایا : ﴿ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ﴾ یہاں کلمہ "فا" اور "لامِ غایت" نے ذٰلک سے مل کر اس آیت کو ماسبق آیات سے بھی مربوط کر دیا ہے اور اس پس منظر سے بھی جو اس پوری سورۂ شوریٰ کے نزول کے وقت موجود تھا ' جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اس دعوت کا ہدف ہو گا اقامتِ دین۔ ﴿ اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ﴾ ـــــ اے نبیؐ! اسی کی دعوت دیجئے کہ اللہ کے دین کو قائم کرو ' نافذ کرو ' برپا کرو ' مجتمع و منظم ہو جاؤ ' باطل سے ٹکراؤ اور اس تصادم کے لئے خود کو قربانی اور ایثار کے لئے تیار کرو۔ یہ ہوئی ﴿ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ﴾ کی تشریح و توضیح۔

استقامت کا حکم

آگے فرمایا : ﴿ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ﴾ "اور ڈٹے رہئے ' جمے رہئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے!" یعنی ﴿ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ﴾ اور ﴿ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ○ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ ﴾ پھر حکم ہوا : ﴿ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہُ دِیْنِیْ ﴾ کہہ دیجئے اے محمدؐ! (ﷺ) مجھے تو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اس کے فرمان کے سامنے سر جھکاؤں۔ سب سے پہلے میں اس کا فرماں بردار بنوں۔ اور کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں اور کروں گا ـــــ یہاں انشائیہ اسلوب میں آپؐ سے فرمایا جا رہا ہے : ﴿ وَاسْتَقِمْ

۱؎ دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انقلابی پہلو اور ان کے جملہ مراحل کی تفہیم کے لئے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے اس درس قرآن اور خطاب کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید رہے گا جو "مسلمانوں کے فرائض دینی اور اسوۂ رسول ﷺ" کے نام سے کتابی شکل میں موجود ہے۔ (مرتب)

كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ "پس آپؐ ڈٹے رہیے' مستقیم رہیے اس پر جو آپؐ کو حکم ہوا ہے۔" ـــــ یعنی مخالفت تو ہے' دباؤ پڑ رہا ہے' اس میں کوئی شک نہیں' آپؐ کے لئے مصائب کے بڑے بڑے طوفان آتے نظر آتے ہیں' یہ سب صحیح ہے' لیکن آپؐ نے کھڑے رہنا ہے اور جمے رہنا ہے۔

مکّی دَور کی سورتوں میں آپ کو نظر آئے گا کہ اس استقامت کے لئے آنحضور ﷺ کو بار بار صبر کی تلقین و وصیت کی جا رہی ہے۔ اور آنجنابؐ کے توسّط سے یہ تلقین اہلِ ایمان کو بھی ہو رہی ہے۔ سورۃ المدّثر میں فرمایا گیا : ﴿ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ "(اے محمدؐ !) اپنے رب کے راستے کی دعوت میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کیجئے۔" سورۃ الاحقاف میں فرمایا گیا : ﴿ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ﴾ "صبر کیجئے (اے محمد ﷺ) جیسے ہمارے اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے آئے ہیں۔" سورۃ النحل میں فرمایا گیا : ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ "(اے محمدؐ !) صبر کیجئے! اور آپ کا سہارا بس اللہ ہی ہے۔" یعنی صبر کے لئے بھی کوئی سہارا درکار ہے تو آپؐ کا سہارا ہم خود ہیں' آپؐ کے صبر کی بنیاد ہم سے تعلق اور محبّت ہے۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا : ﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ﴾ "پس (اے محمدؐ !) صبر کیجئے' اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیے گا۔" یہاں صاحبِ الحوت سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے ذرا جلدی کی تھی' عجلت کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے علاوہ اور کچھ نہیں' معاذ اللہ کسی گناہ کا کوئی سوال نہیں۔ کسی نبی سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا۔ ہوا یہ تھا کہ دین کی حمیت و غیرت ان پر غالب آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر اپنی قوم سے ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث متنفر اور مایوس ہو کر اس قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ ایسا نہ کیجئے گا! سورۃ المزّمّل میں فرمایا گیا : ﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴾ "(اے نبیؐ !) صبر کیجئے اس پر جو کچھ یہ مشرکین کہہ رہے ہیں اور ان سے بہتر اور احسن طریق سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔" نقل کفر' کفر نہ باشد' دعوتِ توحید پیش کرنے کے نتیجے میں مشرکین میں سے کوئی آپؐ کو پاگل کہہ رہا ہے' کوئی کہہ رہا ہے کہ دماغ خراب ہو گیا ہے' کوئی شاعر کہہ رہا ہے' کوئی ساحر کہہ رہا ہے اور کوئی

کہہ رہا ہے کہ ساحر بھی نہیں بلکہ مسحور ہیں' ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہے' یہ اس جادو کے زیر اثر ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ بھی نہیں ہے' آسیب زدہ ہیں' ان پر کوئی جن آگیا ہے' یہ مجنون ہیں۔ یہ ساری باتیں سن رہے ہیں جناب محمد ﷺ' اور حکم ہو رہا ہے کہ صبر کیجئے اس پر کہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں! : ﴿ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ﴾ پھر آنحضور ﷺ کو تسلی اور تشفی بھی دی جا رہی ہے۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا : ﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ○ وَّاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ ﴾ "ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں' آپؐ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپؐ کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے اور (اے نبیؐ!) تحقیق آپؐ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہیں" ___ لہٰذا ان مشرکین کی باتوں کا اثر نہ لیجئے!

یہ ہے سارا پس منظر جس میں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے : ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ ___ دباؤ کتنا ہی سخت ہو' مخالفت کتنی ہی شدید ہو' استہزاء اور تمسخر کتنا ہی دل آزار اور اذیت ناک ہو' حالات کتنے ہی ناموافق و نامساعد ہوں' ماحول کتنا ہی ناساز گار ہو' اے نبیؐ! آپؐ کو عبادتِ رب' دعوتِ الی اللہ اور اقامتِ دین کی جدّوجُہد اور سعی و جہاد کا جو حکم ہوا ہے' اس پر جمے رہیئے' ڈٹے رہیئے۔ سورۃ حٰم السجدۃ کی آیت ۳۰ میں استقامت کا ذکر آچکا ہے۔ فرمایا : ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ ﴾ اس لفظ استقامت میں ایک قیامت مضمر ہے۔ کہو کہ ہمارا رب اللہ ہے' اور اس پر چٹان کی مانند جم جاؤ۔ اب کوئی طوفان کتنا ہی سخت اور شدید آئے تمہارے قدموں میں جنبش اور لغزش پیدا نہ کر سکے۔ لہٰذا قولی اور عملی ہر نوع کی مخالفت کو اے محمدؐ! آپؐ جھیلئے۔ ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ﴾ کا یہی مطلب ہے۔

مصالحانہ رویّہ کی ممانعت

اس آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا :

﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾

"اور (اے نبیؐ!) ان (مشرکوں اور کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔"

قریش کے مشرک سرداروں نے جب یہ محسوس کیا کہ اس دعوتِ توحید کو روکنے میں ہر نوع کے استہزاء و تمسخر اور شدید جور و ستم کے باوجود ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں اور وہ نہ تو نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ توحید سے روک سکے ہیں' نہ ان کے مظالم سعید لوگوں کو یہ دعوت قبول کرنے سے باز رکھ سکے ہیں اور نہ ہی دعوت قبول کرنے والے کسی شخص کو مصائب سے ہراساں کر کے دین چھوڑنے پر آمادہ کر سکے ہیں تو مشرکین کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کے پاس سفارتیں اور پیشکشیں آنی شروع ہو گئیں اور آپؐ کے سامنے مصالحت کا یہ فارمولا پیش کیا جانے لگا کہ کچھ ہم آپؐ کی بات مان لیتے ہیں کچھ آپؐ ہماری بات مان لیں۔ سورۃ القلم میں آغاز ہی میں یہ فرما دیا گیا تھا کہ : ﴿ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ○ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○ ﴾ "پس (اے نبیؐ!) آپؐ ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آئیں! یہ تو چاہتے ہیں کہ آپؐ کچھ ڈھیلے پڑیں' کچھ مداہنت کریں تو یہ بھی ڈھیلے پڑیں اور مداہنت کا رویہ اختیار کر لیں۔" انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ آپؐ کے قدموں میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی اور یہ پورا زور لگا کر بھی آپؐ کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ مصالحت ہو جائے' کچھ مان لیجئے کچھ منوا لیجئے give and take کا معاملہ کر لیجئے' کچھ دیجئے کچھ لیجئے' ہماری بھی کچھ عزت رہ جائے۔ ساری کی ساری بات آپ کی مان لی جائے یہ ممکن نہیں ہے۔ آپؐ کو پیش کش کی گئی کہ اگر اس دعوتِ توحید کے ذریعے آپ کو دولت درکار ہے تو اشارہ کر دیجئے ہم دولت کے انبار آپؐ کے قدموں میں لگا دیں گے' اگر آپ اقتدار چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں' اگر آپؐ کسی خاص خاتون سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتے ہوں تو اشارہ کر دیجئے وہاں نکاح ہو جائے گا۔

یہ ہوتا ہے دامِ ہم رنگِ زمیں۔ اللہ کی طرف بلانے والا اللہ کا بندہ شدید مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا ہے۔ حالات اتنے نامساعد اور ناموافق ہیں کہ بظاہر کہیں راستہ نکلتا نظر نہیں آ رہا۔ ان حالات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے جس سے اُس وقت آنحضور

ﷺ اور اہلِ ایمان دو چار ہیں۔ اُس وقت ایسی ایسی پیشکشیں آتی ہیں تو نفس تو کہتا ہے کہ قبول کرلو' چلو اس وقت یہ سو فیصد نہیں مانتے' پچاس فی صد ماننے کے لئے تیار ہیں' اسی کو غنیمت سمجھ کر مصالحت کرلی جائے' رفتہ رفتہ اِن کو رام کرلیا جائے گا اور پورے دین پر عمل پیرا ہونے کے لئے ان کو آمادہ کرلیا جائے گا۔ لیکن حکم یہ دیا جارہا ہے کہ نہیں' ڈٹے رہیے' دین کل کا کل قبول کریں تو ٹھیک ہے۔ جزوی دین' دین ہے ہی نہیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا : ﴿ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ ان ہی احکامِ الٰہی کے پیشِ نظر مشرکین کی دامِ ہم رنگِ زمین پیشکشوں اور قتل کرنے کی دھمکیوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے جو تاریخ میں آبِ زر سے لکھے جائیں تو بھی اِس جواب کی شان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے مشرکین کو جواب دیا :

"اگر تم میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تب بھی میں اِس دعوت سے باز نہیں آسکتا۔ یا تو میں اس دعوت کی تبلیغ میں اپنی جان دے دوں گا یا اللہ اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا۔"

یہ تھی اس حکم کی عملی اور قولی تعمیل کہ ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ﴾ علّامہ اقبال نے اس بات کو بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں ادا کیا ہے ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

یہی صورتِ حال مدینہ منورہ میں بھی پیش آگئی تھی۔ وہاں بھی یہود کے علماء کا مطالبہ یہی تھا کہ کچھ لیجئے کچھ دیجئے' کچھ ہماری باتیں مانئے کچھ ہم آپؐ کی باتیں مان لیں گے۔ اسی پس منظر میں سورۃ البقرۃ میں' جو مدنی سورت ہے' فرمایا گیا : ﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾ "(اے نبیؐ!) یہ یہود و نصاریٰ آپؐ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک آپؐ ان کی ملّت (طور طریقوں) کا اتباع نہ کریں"۔ یہ تو اپنے تعصب اور اپنی عصبیت کی وجہ سے اپنی بات پر اَڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپؐ سے کبھی راضی نہ ہوں گے۔ آپؐ اگر انہیں کچھ رعایتیں دینے پر آمادہ ہو جائیں تب بھی یہ آپؐ سے کبھی

راضی نہ ہوں گے۔ اصل مسئلہ تو ہے دینی قیادت کا۔ آپؐ ان کے پیچھے چلیں تب یہ خوش ہوں گے۔ یہ اہل کتاب اچھی طرح جانتے تھے کہ آپؐ بحیثیتِ رسول دین کے معاملہ میں کسی مصالحت کے لئے تیار ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ان کی مصالحانہ پیش کش بھی اخلاص و خلوص پر مبنی نہیں ہوتی تھی' بلکہ اس لئے ہوتی تھی کہ اپنے عوام اور حلقۂ اثر کو یہ مغالطہ دیں کہ ہم تو مصالحت کی برابر کوشش اور پیشکش کر رہے ہیں' لیکن محمد (ﷺ) ہی اپنے موقف پر بضد ہیں۔ قرآن حکیم نے ان اہل کتاب کے نفاق کو مختلف اسالیب سے فاش کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ طویل آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں پہلے تو ان اہلِ کتاب کے اُن جرائم کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ اپنی کتاب اور اپنی شریعت کی خلاف ورزیوں کے طور پر کرتے تھے۔ جو کام خود اُن کی شریعت میں حرام تھے اُن کا ارتکاب کرتے تھے' پھر بھی اس بات کے دعوے دار تھے کہ ہم شریعتِ موسوی پر کاربند ہیں' اس پر کامل ایمان رکھتے ہیں ـــــ ان کے چند جرائم گنوا کر فرمایا گیا :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾

”تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دُنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ اِن حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔“

آیت کا یہ حصہ یہود کے اس طرزِ عمل کی مکمل عکاسی کرتا ہے جو انہوں نے اللہ کی شریعت کو حصوں میں تقسیم کر کے اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ اِس جرم کا ارتکاب کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے کچھ حصوں پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کو چھوڑ دیتے تھے' یا اُن کے بالکل خلاف عمل کرتے تھے۔ گویا ان کی اطاعت اخلاص و خلوص سے خالی تھی۔ اس میں ملاوٹ شامل ہو گئی تھی۔ اس میں نفس کی چاہت اور خواہشات کی

پیروی کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس طرزِ عمل میں آیت کے اس حصّے میں جو سخت وعید آئی ہے وہ لرزا دینے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین و شریعت کے ساتھ جو بھی یہ معاملہ کرے گا ایک طرف اللہ کی توحید' اس کی کتاب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا دعویٰ ہو' دوسری طرف اس کے دین اور اس کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ ہو کہ کچھ حصّے پر عمل ہو اور کچھ حصّے کو چھوڑ دیا جائے یا اس کے برخلاف عمل کیا جائے' تو اس اُمّت کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ وہی معاملہ کرے گا جو سابقہ اُمّت کے ساتھ کیا گیا ہے : ﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾ (فاطر : ۴۳) آج ہم بحیثیتِ اُمّت دُنیا میں ذلیل و خوار ہیں' ہمارا کوئی وقار نہیں' ہماری کوئی وقعت نہیں۔ یہ نقد سزا ہے جو ہم کو دُنیا میں مل رہی ہے اس جرم کی کہ ہم نے بھی یہود کی طرح دین و شریعت کو اجزاء میں تقسیم کر رکھا ہے۔ مسجدوں میں تو اللہ کا حکم چلے اور عدالتوں میں' اسمبلیوں میں' معاشیات میں' معاشرت میں' ملک کے مجموعی اور اجتماعی نظام میں اللہ کے احکام بے دخل رہیں ـــــ ان چند جملہ ہائے معترضہ کے بعد اصل مضمون کی طرف آیئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ ﴾ اور منع فرمایا جا رہا ہے کہ ان منکرینِ حق کی خواہشات کی ہرگز پیروی نہ کیجئے گا۔ دراصل اس اسلوب میں ان کفّار اور مشرکین کو متنبّہ کرنا مقصود ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ توقّعات نہ رکھو کہ وہ تمہاری خواہشات کی پیروی کریں گے۔ یہ سب مفاہیم و معانی آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سموئے ہوئے ہیں کہ : ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ ﴾

ایمان بالکتب

قرآن مجید کا یہ اعجاز دیکھئے کہ وہ چھوٹے چھوٹے جملوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ نہایت اہم مضامین و موضوعات کا احاطہ کر لیتا ہے۔ کوزے میں سمندر بند کرنے کا محاورہ اگر صد فی صد راست آتا ہے تو وہ قرآن مجید کی ہر آیت پر راست آتا ہے۔ اب اسی آیت کا اگلا حصّہ پڑھئے اور دیکھئے کہ ایک بات ڈنکے کی چوٹ کہنے کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾

"اور (اے نبیؐ!) کہہ دیجئے کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے۔"

یہاں توقف کرکے پہلے "مِنْ کِتَابٍ" کی کچھ شرح سمجھ لیجئے۔ یہاں "مِنْ کِتَابٍ" فرما کر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف قرآن کریم ہی کو منزل من اللہ تسلیم نہیں فرماتے تھے' بلکہ ہر آسمانی کتاب کو ماننے کا اقرار فرماتے تھے' از روئے الفاظ قرآنی ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اسی بات کو سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے : ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾ "ہمارے یہ رسول (محمد ﷺ) اس ہدایت یعنی قرآن پر ایمان لائے ہیں جو اُن کے رب کی جانب سے اُن پر نازل کی گئی ہے اور وہ بھی ایمان رکھتے ہیں جنہوں نے ہمارے رسولؐ کی تصدیق کی ہے۔ یہ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر اور اس کی طرف سے مبعوث کئے جانے والے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں" ـــــ اور ہمارے رسولؐ اور اُن کے اصحاب کا قول یہ ہے : ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾ "ہم اللہ کے رسولوں کے مابین تفریق نہیں کرتے۔" مطلب یہ ہوا کہ تورات' زبور' انجیل اور دوسرے صحیفے جو بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ان سب پر بھی اور قرآن پر بھی ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ قرآن مجید درحقیقت تمام آسمانی کتابوں کا مھیمن و مصدق ہے۔ پہلی کتابیں محرف ہو گئیں' صحیفے گم ہو گئے۔ قرآن ان سب کا جامع ہے اور تا قیامِ قیامت محفوظ رہے گا۔ اسی طرح حضور ﷺ خاتم النبیّین والمرسلین ہیں اور اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق خاتم النبیین والمرسلین بھی اور آپؐ کے صحابیؓ بھی کرتے ہیں۔

آیت ۱۴ میں لفظ کتاب آ چکا ہے : ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ ﴾ بظاہر یہ کتاب کے ماننے والے ہیں' بظاہر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان تورات پر ہے' لیکن ان کا یقین متزلزل ہو چکا ہے۔ اپنے دینی سربراہوں کا کردار دیکھ کر' ان کے رویّہ کو دیکھ کر' ان کے تفرقے کو دیکھ کر ان کتابوں پر سے ان کا اعتماد اٹھ

چکا ہے' ان کا ایمان ہل چکا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہاں نبی اکرم ﷺ کی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے۔ ﴿ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل فرمائی ہے' اور میرا سارا عمل اس کے مطابق ہے' میں تو اس پر جما ہوا ہوں۔

قرآن میں تبدیلی کا مطالبہ

سورۂ یونس میں مشرکین کے اس مطالبہ کا حوالہ آیا ہے جو وہ قرآن میں تغیّر و تبدّل کے لئے کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ ہو جائے تو ہماری اور آپ کی صلح ہو سکتی ہے۔ سورۂ یونس میں فرمایا :

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ ﴾

"اور جب انہیں ہماری روشن اور بیّن آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو آخرت میں ہم سے ملنے کا یقین نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس میں ردّو بدل کر دو"۔

ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ قرآن بہت rigid ہے' یہ بالکل بے لچک ہے' اس کا موقف بہت سخت ہے' آخر دوسروں کو بھی accomodate کیا جانا چاہئے' مصالحانہ رویّہ (compromising attitude) بھی تو ہونا چاہئے' لہٰذا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا پھر اسی میں تغیر و تبدّل کرو' کچھ اس کی سختی کم کرو اور اسے نرم بناؤ۔ جواب کیا دلوایا گیا :

﴿ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

(آیت : ۱۵)

"(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں اپنے جی سے اس میں کوئی تغیر و تبدّل کروں۔ میں تو خود اسی کے اتباع پر مامور ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے ہولناک عذاب کا خوف ہے۔"

یعنی اگر یہ باتیں میں اپنے جی سے کہہ رہا ہوتا' یہ میرے اپنے نظریات ہوتے' میرا اپنا کوئی پروگرام ہوتا' کوئی پارٹی منشور ہوتا جس کو چند لوگوں کی مشاورت سے بنایا گیا ہوتا تو میں اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتا تھا۔ کوئی ردوبدل ہو سکتا تھا' لیکن یہ اللہ کا کلام ہے' اُس کے فرامین ہیں جو میں تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔ —— ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ ﴾ مجھے تو حکم ملا ہے کہ اللہ کا پہلا فرماں بردار میں خود بنوں۔ چنانچہ اللہ کے احکام کے سامنے سر جھکانے والا اور اس کی فرماں برداری کرنے والا سب سے پہلے میں خود ہوں۔ اس لئے میرے لئے یہ کہاں ممکن ہے کہ قرآن مجید میں کوئی تبدیلی کر سکوں۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ —— یہی تو بات تھی کہ سورۃ الزمر کے آخر میں کس قدر جلالی انداز ہے کہ : ﴿ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ ﴾ "(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ جاہلو! کیا تم مجھے بھی حکم اور مشورہ دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور پرستش شروع کر دوں"۔ اے حرص و ہوا کے بندو! مجھے اپنے اوپر قیاس نہ کرو' مجھے مصلحتوں کے راستے نہ دکھاؤ۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ کی بندگی کے سوا کوئی اور راستہ اختیار کروں۔ مجھے تو حکم ملا ہے : ﴿ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ میں اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرتا رہوں اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہوں۔ وہی حکم یہاں ہے کہ : ﴿ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ﴾

نظام عدل و قسط کا قیام

اب آگے اس آیت کریمہ کا نہایت اہم حصّہ آ رہا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۵ طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس آیت کے ہر حصّہ میں معانی و مفاہیم کے سمندر پنہاں ہیں۔ اب اگلے حصّہ پر توجہات کو مرتکز کیجئے۔ فرمایا :

﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ ﴾

"اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔"

یہ حصّہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی صحیح تفسیر و تعبیر یہ ہے کہ "دین اللہ" درحقیقت اجتماعی نظام عدل و قسط ہے۔ دین اللہ قائم کرنے کا مقصد کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ

انسانوں کے مابین عدل و قسط اور انصاف کا نظام قائم ہو۔ تمدن کی جو بھی پیچیدگیاں اور اونچ نیچ ہے' ان سب کو رفع کرکے ایک مبنی بر انصاف نظام قائم ہو۔ معاشرے کے کسی فرد کے بھی حقوق تلف نہ ہوں۔ معاشرے کا کوئی طبقہ کسی دوسرے طبقہ کا استحصال نہ کر سکے۔ عورت اور مرد کے درمیان مبنی بر انصاف توازن ہو۔ سرمایہ اور محنت کے درمیان مبنی بر قسط و عدل توازن ہو۔ فرد اور معاشرے کے درمیان توازن ہو اور یہ توازن بھی عدل و قسط پر مبنی ہو۔ ان تمام اعتبارات سے عدل و قسط قائم کرنا ہی شریعت کا منشاء و مدعا ہے۔ اس بات کو مزید سمجھنے کے لئے سورۃ الحدید کی پچیسویں آیت دیکھئے' جس کے آغاز میں فرمایا :

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾

"بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہو جائیں۔"

یہ قرآن حکیم کی بڑی مہتم بالشان آیتوں میں سے ایک ہے۔ اس میں رسولوں کی بعثت اور ان کو معجزات اور واضح و روشن دلائل دیئے جانے کا مقصد بھی بیان ہوا ہے اور کتب نیز ساتھ ہی میزان یعنی شریعت کے نزول کی غایت بھی واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ ان تمام کی غرض و غایت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ بنی نوع انسان عدل و قسط پر قائم ہوں ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴾ ایک ایسا اجتماعی نظامِ حیات نافذ اور جاری و ساری ہو جو مبنی بر عدل و قسط اور انصاف ہو۔ جس پر کاربند ہو کر کوئی کسی کا خون نہ چوسے' کوئی کسی کا استحصال نہ کرے' کوئی کسی کو ناجائز طور پر دبائے نہیں' کوئی کسی پر ظلم نہ کرے' کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ کوئی کسی پر جور و ستم اور دست درازی نہ کرے۔ لہٰذا صرف دین اللہ اور المیزان یعنی شریعت الٰہی کے ذریعے انسان کو وہ معیارِ حق و باطل مل سکتا ہے جو ٹھیک ٹھیک تول کر بتا دے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن کیا ہے! نظریات و افکار میں حق کیا ہے اور باطل کیا ہے! اخلاق و معاشرت میں طہارت و پاکیزگی کے معیارات کیا ہیں! یہی نظام متعین کرتا ہے کہ عبد و معبود کے درمیان صحیح تعلق

کی اساسات کیا ہیں! اس حیاتِ دُنیوی کا آخرت کی ابدی زندگی سے ربط و تعلق کیا ہے؟

اظہارِ دین الحق

نبی اکرم ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں بنفسِ نفیس بالفعل دین اللہ قائم' غالب اور نافذ کر کے دکھا دیا۔ خلافتِ راشدہ میں اسی نظامِ عدل و قسط کے مزید خد و خال نمایاں ہوئے۔ اسی لئے اسے خلافت علیٰ منہاج النّبوۃ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب بیعتِ خلافت ہوئی تو آپؓ نے جو پہلا خطبہ دیا یعنی Policy Statement کا اعلان کیا تو اس میں اسی عدل و قسط کے نظام کی وضاحت میں فرمایا کہ "اے لوگو! میرے نزدیک تم سے ہر قوی کمزور ہو گا جب تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کرلوں اور یہ کمزور میرے نزدیک قوی ہو گا جب تک کہ اس کا حق اسے دلوا نہ دوں" —— پھر یاد کیجئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کیا ارشاد فرمایا تھا جب اسلام کے نظامِ عدل و قسط کا جھنڈا عرب و عجم اور شمالی افریقہ کے وسیع علاقوں پر لہرانے لگا تھا اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہو گیا تھا کہ "عمر رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ مضطرب اور بے چین کیے رکھتا ہے کہ اگر دجلہ یا فرات کے کنارے کوئی کُتّا بھوک سے ہلاک ہو گیا تو آخرت میں مجھ سے اس کی بازپرس ہو گی" —— جس نظامِ عدل و قسط میں اس کا سربراہ بھوک سے ایک کُتّے کے ہلاک ہو جانے پر خوفزدہ اور ہراساں رہتا ہو' اندازہ لگا لیجئے کہ انسان کے حقوق کی عدل و انصاف کے ساتھ پاسداری اور ادائیگی کا اس نظام میں کیا مقام ہو گا!!۔

یہاں ایک اور بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن حکیم کا یہ اسلوب ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور بیان ہوتے ہیں۔ سورۂ حدید میں تو تمام رسولوں کے ساتھ کتابوں اور میزان کے نازل فرمانے کی غایت اور اس کا مقصد بیان فرمایا گیا کہ ﴿ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ اسی سورۂ شوریٰ کی سترہویں آیت میں نبی اکرم ﷺ پر کتاب یعنی قرآن اور میزان شریعت کے نزول کا ذکر موجود ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ﴾[1]

---

[1] سورۂ شوریٰ کی آیت زیرِ درس میں تو حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ ﴿ وَاُمِرْتُ ﴾ ←

پس یہ دین اللہ' یہ شریعت' یہ میزان در حقیقت نظامِ عدل و قسط ہے۔ یہ عادلانہ و منصفانہ اجتماعی نظام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو عطا فرماتا رہا اور جس کا اکمال و اتمام ہوا نبی اکرم ﷺ پر :

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدۃ : ۳)

"آج (یعنی نبی اکرم ﷺ کے توسط سے آپؐ کے زمانہ بعثت میں) مَیں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطور دین (نظامِ حیات) قبول کر لیا ہے۔"

کسی واعظ اور رسولؐ کی دعوت کا فرق

یہاں پر ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ کے ضمن میں ایک بات سمجھنے کی ہے کہ ایک ہوتا ہے واعظ۔ اس کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وعظ کہا اور اگلی منزل کی طرف چل دیا۔ اگر کوئی پیشہ ور واعظ ہے تو اس کا اصل مقصود و مطلوب یہ ہوتا ہے کہ اس کے وعظ کی دھوم ہو' اس کے زورِ خطابت کی سامعین داد دیں' جہاں جائے لوگ نعروں سے استقبال کریں۔ وہاں گلے میں ہار پڑیں' عمدہ سے عمدہ کھانا ملے' بطور نذرانہ خدمت ہو جائے۔ پھر اگلی منزل ہے۔ وہاں بھی وعظ کہا' مطلوب حاصل کیا' پھر اگلی منزل ہے ـــــ لیکن ایک وہ شخص ہے جو کھڑا ہو جاتا ہے اور منادی کرتا ہے کہ میں وعظ کہنے نہیں آیا' نظامِ عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ ـــــ اب تو زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ ناجائز طور سے کمائی کرنے والے اور حرام خوری کرنے والے لوگ اپنی حرام اور ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت میں سے کسی واعظ کو نذرانے کے طور پر

← لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں تمام اہل ایمان سے فرمایا گیا : ﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ "(اے مسلمانو!) جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو"۔ اسی طرح سورۂ نحل کی آیت ۹۰ کے آغاز میں نہایت تاکیدی اسلوب سے فرمایا گیا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ... ﴾ "(اے مسلمانو!) اللہ تمہیں عدل اور بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے..." (مرتب)

کچھ دے دیں' خوب مرغن کھانا کھلا دیں' ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نظام تو وہی رہے گا' نظام پر کوئی آنچ تک نہیں آنے پائے گی اور یہی تو وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ظالمانہ نظام' ہمارے تشدد' ہمارے استحصال' ہمارے دباؤ' ہمارے مشرکانہ یا مبتدعانہ عقائد' ہمارے جاہلیت پر مبنی رسم و رواج اور ہماری حرام خوریوں پر آنچ نہیں آنی چاہئے —— ان پر نکیر نہ ہو' ان کو چیلنج نہ کیا جائے۔ نذرانے لے لو' چڑھاوے چڑھوالو' کوئی اور خدمت ہے تو بتاؤ' حاضر ہیں۔ چندے لینے ہیں' حاضر ہیں۔ مگر ہمارے نظام کو مت چھیڑنا۔

لیکن جہاں بات یہ آجائے کہ ﴿ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ میں صرف وعظ کہنے نہیں آیا ہوں۔ میں نظامِ عدل و قسط قائم کرنے آیا ہوں' مَیں مامور من اللہ ہوں' مجھے تو اس کا حکم ملا ہے تو ظاہر ہے کہ جو لوگوں کا طرح طرح سے خون چوس رہے ہیں وہ تو مخالفت کریں گے۔ جن کے مفادات پر زد پڑتی ہو' آنچ آتی ہو وہ کسی طور اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ایک غلط اور ظالمانہ نظام کا جو ناجائز انتفاع ہے اور جو Vested Interest ہے وہ ختم ہو جائے۔ یہ بات ان کے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی اور وہ اس سے کبھی بھی دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ وہ آپ کو موقع دے دیں' walk over دے دیں کہ چلئے آپ نظامِ عدل و قسط قائم کر دیں۔ وہ تو مزاحمت کریں گے' مخالفت کریں گے' اس دعوت کو کچلنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں گے۔ عدل قائم کرنے کا کیا مطلب ہے؟ یہی کہ جن لوگوں کو ناجائز مراعات حاصل ہیں وہ ان سے چھین لی جائیں۔ لہٰذا اب تصادم ہوگا' اب لڑائی ہوگی' اب مقابلہ ہوگا' اب حزبُ اللہ اور حزبُ الشّیطان آمنے سامنے آئیں گے۔ اب مقاتلہ طے کرے گا کہ کون اپنے موقف میں سچا اور مخلص تھا' کون اس کے لئے کتنی قربانیاں دینے کے لئے تیار تھا! اب تو فیصلہ اس طور پر ہوگا۔

پس یہ چیزیں بڑی مختلف ہیں۔ ایک وعظ کی بات ہے' عقیدے کی دعوت ہے' اس کی تبلیغ ہو رہی ہے' جیسے عیسائی مشنریز۔ نظام سے ان کو کوئی غرض نہیں' کوئی تعرض نہیں' اس پر کوئی تنقید و نکیر نہیں' تمہارا جو نظام ہے رکھو' ملوکیت ہے تو رہے' ہمیں اس سے کیا لینا ہے' کوئی قوم دوسری قوم پر مستبدانہ طور پر مسلط ہے تو ہمیں اس سے کوئی

سرو کار نہیں' ہمیں تو اپنے عقیدے کو پھیلانا ہے۔ وہ بھی اکثر و بیشتر خیراتی اور رفاہی کاموں کے ذریعے سے پھیلایا جاتا ہے کہ معاشرے کے گرے پڑے طبقات میں کہیں دودھ اور گھی کے ڈبے بانٹ دیئے' کہیں بسکٹ اور اسی نوع کی دوسری چیزیں تقسیم کر دیں۔ کہیں ان کے علاج و معالجہ کے لئے ہسپتال قائم کر دیئے۔ کہیں ان کی تعلیم کے لئے مشنریز اسکول اور کالج کا انتظام کر دیا اور ان طور طریقوں سے ان کے ذہنوں میں اپنا عقیدہ داخل کر دیا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلّا۔ ان کے پاس نہ کوئی نظام ہے نہ شریعت' محض عقیدہ ہے یا چند رسوم (rituals)۔ ان کا کام اس پر ختم ہو جاتا ہے کہ پہلے کسی کا نام عنایت اللہ یا کرشن چندر تھا تو ان کے نام عنایت مسیح اور کرشن مسیح میں تبدیل کرا دیئے اور مردم شماری میں ان کا نام و مذہب بدلوا کر ان لوگوں کو مطمئن کر دیا جو اوپر بیٹھے اس کام کے لئے اربوں ڈالر سے بھی زیادہ رقوم کے سالانہ بجٹ فراہم کرتے ہیں۔ تو یہ تبلیغ انقلابی تبلیغ نہیں ہے۔ انقلابی تبلیغ تو وہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ آنحضور ﷺ نے ڈنکے کی چوٹ اعلان فرمایا ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ﴾ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔ میں تمہارے مابین عدل قائم کرنے آیا ہوں۔ میں مامور من اللہ ہوں۔ میری بعثت کا تکمیلی مقصد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین اور میزان (شریعت) قائم کروں' اللہ کا نازل کردہ وہ نظامِ عدل و قسط بالفعل قائم کر دوں کہ جس سے حق دار کو اس کا مکمل حق مل جائے' حق بحق دار رسید!! کوئی شخص اور کوئی طبقہ کسی کے حقوق پر دست درازی نہ کر سکے۔ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ وہ نظام جو ظالم کا ہاتھ پکڑ لے اور مظلوم کی داد رسی کرے۔ وہ نظام جو عدوان' جور و ظلم اور استحصال سے پاک وصاف نظام ہو ——— میں محض واعظ بن کر نہیں آیا ہوں۔

آیت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں دعوتِ محمدّی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا انقلابی پہلو کوزے میں سمندر کی مانند سمویا ہوا ہے۔ سیرتِ محمدّی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ انقلابی پہلو عموماً لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں ہے' حالانکہ آنحضور ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان ہی اللہ کی کبریائی اور اس کی حاکمیت پر مبنی نظامِ عدل و قسط کا قیام اور اس کا غلبہ ہے۔ بالکل آغاز ہی میں آنحضور ﷺ اس منصب پر فائز فرمائے گئے تھے۔

سورۃ المدّثر کی ابتدائی تین آیات ذہن میں لایئے جو اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری وحی ہے : ﴿ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○ قُمْ فَاَنْذِرْ○ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ○ ﴾ یہی بات سورۃ الفتح' سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں بایں الفاظ فرمائی گئی : ﴿ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ﴾ دُنیا میں جو بھی نظام ہائے اطاعت رائج ہیں ان سب پر اللہ کے دین کو غالب کرنا آنحضور ﷺ کا فرضِ منصبی ہے۔ اپنی حیاتِ طیبّہ میں آپؐ نے بنفسِ نفیس جزیرہ نمائے عرب میں بالفعل یہ نظام قائم کر کے اور چلا کے دکھایا۔ اسی انقلابی نظریہ اور دین کو خلافتِ راشدہ میں اُس وقت کی معلوم و مہذّب دُنیا کے بڑے حصّے پر غالب کر دیا گیا ـــــ اسی بات کو نبی اکرم ﷺ سے آیت زیرِ مطالعہ کے اس حصہ میں سے کہلوایا گیا ہے : ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾

حجّت بازی سے کنارہ کشی کا اصل الاصول

حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ یعنی مشرکین کی شدید ترین مزاحمت اور اہلِ کتاب کی بدترین مخالفت کے باوجود آپؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت پر مبنی اقامتِ دین کی دعوت دیتے رہئے۔ ان معاندین کی طرف سے جو تشدد اور تعدّی ہو رہی ہے اس پر صبر کیجئے اور اپنے موقف پر مستقیم رہئے' جمے رہئے۔ ان کی خواہشات کی قطعاً پروا نہ کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور کہہ دیجئے کہ ﴿ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ﴾ اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے فرمایا :

﴿ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ط لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ط لَا حُجَّۃَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ط اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ج وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ○ ﴾

"(اے نبی کہہ دیجئے) اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے درمیان کوئی حجّت بازی اور کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو ایک روز جمع کرے گا اور اُسی کی طرف سب کو لوٹنا ہے۔"

یہ بات کس سے کہی جا رہی ہے! مشرکین سے بھی اور خاص طور پر اہلِ کتاب سے

جن کا ذکر ما قبل آیت میں آچکا ہے ـــــ لہٰذا قریب تر وہی ہیں۔ ویسے بھی توحید کا وہ اقرار کرنے والے' نبوّت و رسالت سے وہ واقف' نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور و بعثت کے وہ منتظر۔ پھر بھی وہ مخالفت میں پیش پیش۔ اسی لئے ان سے خطاب کر کے سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا :

﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ﴾

"اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو ہم نے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے اور جو اُس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ بات ہرگز مناسب نہیں بلکہ جائز نہیں کہ تم ہی سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے بنو۔"

تمہارے پاس تورات ہے' جو هُدًى وَّنُوْرٌ ہے۔ اس کے باوجود تم ہمارے رسولؐ کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہو' مشرکینِ مکّہ کی پیٹھ ٹھونک رہے ہو' ان کو حجّت کے لئے مواد فراہم کر رہے ہو' ان کو ہمارے نبیؐ سے طرح طرح کے سوالات کرنے اور الجھنے کی ترکیبیں سکھا رہے ہو ـــــ سن رکھو کہ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ معقول دلائل سے حق تم پر واضح ہو چکا ہے۔ اب ہمارے اعمال کا نتیجہ ہمیں ملے گا اور اپنے اعمال کا نتیجہ تم بھگتو گے ـــــ ہمارے مابین کسی حجت بازی اور کج بحثی کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم توحید پر کاربند ہو اور دین ہی کے لئے کام کر رہے ہو تو اللہ عالم الغیب ہے' وہ فیصلہ فرما دے گا۔ اگر خلوص سے ہم توحید پر عمل پیرا ہیں اور اس کے دینِ توحید کو ایک نظام حیات کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں تو ہم اللہ سے اجر پائیں گے ـــــ ہم تمہارے اعمال کا اجر نہیں لے سکتے اور تم ہمارے اعمال کا اجر نہیں پا سکتے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول و ماجور ہو گا۔ از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴾ (المدثر : ۳۸)

"ہر ذی نفس اپنی کمائی کے عوض اللہ کے ہاں رہن ہے۔"

جو نیکی یا بدی وہ کمائے گا اسی کے مطابق اسے بدلہ مل کر رہے گا ـــــ اللہ تعالیٰ نے

آسمانوں اور زمین کو بالحق تخلیق فرمایا ہے تاکہ آخرت میں ہر متنفس کو اس کی اس دُنیا میں کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے۔ وہاں لوگوں پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہو گی۔

ہمارے لئے عظیم رہنمائی

اُمّت کی تاریخ پر چودہ صدیوں کا زمانہ بیت گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُمّت میں مختلف فرقے موجود ہیں۔ لوگ اس بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ ایک حدیث میں بہتّر (۷۲) فرقوں کا ذکر آیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہاں بہتّر کی تعداد کثرت کے لئے آئی ہے، ورنہ اتنے فرقے موجود نہیں رہے۔ مشہور فرقے تو سُنّی، شیعہ، خارجی اور معتزلہ رہے ہیں۔ ان میں بھی سُنّی اور شیعہ اصل فرقے ہیں جن کے مابین قریباً ساڑھے چودہ سو برس سے مسلسل کشمکش چلی آ رہی ہے، کیونکہ ان کے مابین نہایت بنیادی، اصولی اور اساسی (fundamental) اختلافات ہیں۔ مثلاً خلافت کا تصور اور امامت کا تصور ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ سُنّی مکتبِ فکر کے نزدیک معصومیت خاصّۂ نبوت ہے، نبی کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، نبوت ختم ہوئی تو معصومیت بھی ختم ہوئی، جبکہ شیعہ مکتب فکر میں امام کی معصومیت جزوِ ایمان ہے۔ پھر ان کے ہاں امامت صرف آلِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں منحصر ہے اور ان کے لئے مختص ہے ـــــ ان کے ہاں البتہ کئی فرقے ہیں جن میں وہ بھی ہیں جو امام غائب کے قائل اور ان کے ظہور کے منتظر ہیں اور وہ بھی ہیں جن کا امام مسلسل چلا آ رہا ہے اور ہر دور میں حاضر و موجود رہتا ہے۔ ان میں حلول کے قائل بھی موجود ہیں۔ بہرحال اہلِ تشیّع میں بے شمار فرقے ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں ـــــ باقی رہا اہل سنّت والجماعت کا معاملہ تو یہ غلط فہمی دور کر لیجئے کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور اہل حدیث حضرات کے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ چند فقہی امور و مسائل کی تفصیلات کی تعبیر، توضیح، تشریح، تفسیر، ترجمانی (interpretation) اور انطباق و استنباط (implication) میں تھوڑا تھوڑا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ یہ تو ہماری بدقسمتی ہے کہ چند پیشہ ور واعظوں اور چند

علمائے سُوء نے اپنی مسندیں، اپنی قیادتیں، اپنی چودھراہٹیں اور اپنی سیادتیں قائم رکھنے اور چمکانے کے لئے چند فروعی مسائل کو، جن کی دین میں گنجائش موجود ہے، نزاعی مسائل بنا کر مورچہ بندی کر رکھی ہے اور اپنی انانیت کے تحت اُمت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔

اس وقت اس بحث کا موقع نہیں، بلکہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ خلوص و اخلاص اور نیک نیتی سے دین کا کام کرنے والوں میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے، رائے کا بھی اور طریقہ کار کا بھی۔ یہ اختلاف بھی مبنی بر اخلاص ہو سکتا ہے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھئے کہ یہ ایک عملی مسئلہ ہے۔ ایک ایسے پرانے مریض کا تصور کیجئے جو کسی ایک مرض میں نہیں بلکہ بہت سی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ اس کی حالت متعدد امراض کی وجہ سے ناگفتہ بہ ہے ـــــ اس کے دل میں بھی ضعف ہے، اس کا جگر بھی خراب ہے۔ اس کے گردے بھی ماؤف ہو رہے ہیں۔ نزلے اور زکام میں بھی وہ مبتلا ہے۔ اب اگر آپ اس مریض کے علاج و معالجہ کے لئے چار حکیم یا ڈاکٹر لا کر کھڑے کر دیں گے تو ان کے مابین اختلاف رائے ممکن ہے۔ ظاہر بات یہ ہے کہ حکیم اور ڈاکٹر کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا مریض اس کے علاج سے شفا پائے اور صحت یاب ہو جائے۔ وہ مریض کے لئے چاہتا ہے یا اپنی نیک نامی، شہرت اور منفعت کے لئے چاہتا ہے، اس کو چھوڑیئے، بہرحال وہ مریض کی شفا ضرور چاہے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ پورے خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے باوجود ان چاروں کی تشخیص اور تجویز میں بھی فرق ہو۔ ایک کی تشخیص یہ ہو کہ اس کے جگر کی فکر کرو، اصل اہمیت جگر کی ہے۔ دوسرے کا خیال ہو کہ اہمیت گردوں کی ہے، ان کی فکر کرو۔ کہیں گردوں نے کام چھوڑ دیا تو مریض ہاتھ سے گیا۔ تیسرے کی رائے ہو کہ اس وقت اصل توجہ پھیپھڑوں پر دی جانی چاہئے اور پہلے نزلہ و زکام کی فکر کرنی چاہئے۔ چوتھے کا اصرار ہو کہ دل کا معاملہ اولین اہمیت رکھتا ہے، اس کی پہلے فکر لازم ہے۔ چاروں معالج مخلص ہیں اور دل سے مریض کی شفا کے متمنی ہیں، لیکن تشخیص و تجویز میں اقدمیت و اولیت اور اہمیت کے معاملہ میں اختلاف کر رہے ہیں۔

اس مثال میں اب مریض کی جگہ اُمت مسلمہ کو رکھ لیجئے۔ کوئی مخلص و دیانتدار اور

دردمند اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ شیطان کے ہتھکنڈوں' اغیار کی ریشہ دوانیوں اور دوست نما دشمنوں کی سازشوں کے باعث اُمت صدیوں سے بیمار ہوتے ہوتے فی الوقت اعتقادی' فکری و نظری اور عملی و اخلاقی اعتبارات سے بے شمار بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہے۔ اللہ کے دین کا جھنڈا اتمام و کمال کہیں بھی سربلند نہیں ہے۔ جو دین فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ عالم تاب کی طرح طلوع ہوا تھا' جس نے نورِ توحید سے کرۂ ارضی کے ایک بڑے حصّے کو منور کر دیا تھا' آج اُس دین پر غربت و مسکنت طاری ہے۔ کفر و الحاد' شرک و زندقہ اور بدعات و خرافات کے اندھیاروں میں یہ آفتاب ہدایت گہنا دیا گیا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ چند لوگوں کے دلوں میں اپنے دین اور اپنے رسول ﷺ کی اُمت کا درد پیدا فرماتا ہے۔ وہ لوگ غور و فکر کرتے ہیں کہ تجدید و احیاءِ دین اور اصلاح اُمّت کے کام کا آغاز کس طور سے کیا جائے۔ کس کام کو اقدمیت و اولیت دی جائے۔ جس رائے پر ان کا دل ٹھک جاتا ہے' انہیں انشراحِ صدر حاصل ہو جاتا ہے اس کے مطابق کام کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تمام معاملہ اجتہادی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وحی کا سلسلہ تو منقطع ہو چکا۔ نبوت تو جناب محمد ﷺ پر ختم ہو چکی۔ للہٰذا جو دردمند شخص احیاءِ دین اور اصلاح اُمت کے لئے اٹھتا ہے وہ اجتہادی طور پر کوشش کرتا ہے کہ بہتر سے بہتر طریق پر دین کی تجدید کا' اسلام کی سربلندی کا' اقامت دین کا اور اُمت کی اعتقادی و عملی خرابیوں کی اصلاح کا کام کروں۔ اس کی تشخیص و تجویز سے پورے اخلاص و خلوص اور نیک نیتی کے باوجود بھی اختلاف ممکن ہے۔

اس بات کو سامنے رکھئے اور آیت کے آخری حصّے کو پڑھئے اور یہ نتیجہ اخذ کیجئے کہ ایسے اشخاص اور ایسی جماعتوں کو باہم دست و گریباں نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے اپنے طریقوں پر دین کی خدمت اور احیاءِ اسلام کیلئے خلوص و اخلاص کے ساتھ عمل پیرا رہیں لیکن ایک دوسرے پر الزام تراشی نہ کریں' ایک دوسرے کی ٹانگیں نہ گھسیٹیں' اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات پروان نہ چڑھائیں' بلکہ جہاں تک ہو سکے تعاون و اشتراک کا معاملہ رکھیں۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں اور اندازوہ اختیار کریں جس کی طرف ہمیں آیت مبارکہ کے ان الفاظ میں رہنمائی مل رہی ہے کہ ﴿ اَللّٰهُ

رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ "اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔" ﴿لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ "ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال"۔ ﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ﴾ "ہمارے اور تمہارے مابین حجت' بحث و تمحیص اور مناظرہ کی کوئی ضرورت نہیں"۔ ﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا﴾ اگر ہم مخلص ہیں اور اخلاص کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور تم بھی مخلص ہو اور خلوص سے کام کر رہے ہو "تو اللہ ایک دن ہمیں جمع کر دے گا"۔ منزل اگر ایک ہے تو لازماً سب ایک دن ایک جگہ جمع ہو جائیں گے ـــــ ۹ ذی الحجہ کو منیٰ سے لاکھوں انسان چلتے ہیں' سب کو عرفات جانا ہے' وقوف عرفہ کرنا ہے' وہی اصل حج ہے۔ عرفات جانے کے لئے ہزاروں قافلے بنے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا جھنڈا علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے اور اونچا رکھا جاتا ہے تاکہ اس قافلے کا کوئی آدمی کہیں اِدھر اُدھر ہو جائے تو اپنے جھنڈے کو دیکھ کر قریب آ جائے ورنہ بچھڑ جائے گا اور دوبارہ ملنا مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا لوگ قافلوں کی شکل میں چلتے ہیں' لیکن منزل سب کی ایک ہے۔ جن لوگوں کو حال ہی میں حج کی سعادت نصیب ہوئی ہو وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اب تو منیٰ سے عرفات کے لئے چھ بڑی کشادہ سڑکیں ہیں' لیکن یہ سب سڑکیں قافلوں کو آخر کار عرفات پہنچائیں گی۔ سب قافلے وہاں جمع ہو جائیں گے۔ پس دین کی خدمت یا اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں جو لوگ اور جو جماعتیں بھی خلوص و اخلاص کے ساتھ مصروف رہی ہیں اور ان کے طریقہ کار میں اختلاف ہے ان کے لئے فکر مندی کی کوئی بات نہیں۔ اگر منزل ایک ہے تو قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں گے اور آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں منزل پر پہنچ کر سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ چلئے اگر دُنیا میں ہم قریب نہ بھی ہوئے تو ایک دن آنا ہے جب اپنے رب کے حضور میں حاضری ہو گی: ﴿اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ آخر لوٹنا تو وہیں ہے۔ وہاں جا کر پتہ چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا۔ وہاں پر حقیقت کھل جائے گی کہ کس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹیاں بندھ گئی تھیں' کون جماعتی عصبیّتِ جاہلیہ میں گرفتار ہو گیا تھا اور کون خلوص کے ساتھ چل رہا تھا! کون کس شخصیت کی عقیدت کا غلام ہو گیا تھا! ہر ایک کی حقیقت کھل جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔ کون مخلص تھا اور کون غیر مخلص' وہاں سب عیاں

ہو جائے گا۔ جو مخلصین ہوں گے وہ باہم دگر شیر و شکر ہو جائیں گے۔

اہلِ ایمان کے تذکرے میں سورۃ الحجر میں الفاظ آئے ہیں : ﴿ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ○ ﴾ "اور ان کے دلوں میں اگر ایک دوسرے کی طرف سے میل ہوا تو ہم اسے نکال دیں گے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔" جب ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر داخل ہو جاؤ ﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴾ تو اہلِ ایمان کے دلوں میں بربنائے طبعِ بشری اپنے کسی بھائی کے بارے میں اگر کوئی رنجش اور میل موجود ہو گا تو جنت میں اللہ اس کو دلوں سے نکال دے گا۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے اور معاویہؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے رضی اللہ عنہما ایک دوسرے کی طرف سے دلوں میں میل تو آیا تھا۔ جب تلواریں نیاموں سے باہر آ گئی تھیں تو یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ دونوں کے دل ایک دوسرے سے آئینہ کی طرح صاف تھے۔ شکوہ' شکایت اور گلہ ایک دوسرے سے پیدا ہوا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ جنّتی ہم دونوں ہیں۔ رنجش کی وجہ سے اس دُنیا میں ہمارے دلوں میں جو میل آ گیا ہے' جو کدورت پیدا ہو گئی ہے' تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس رنجش کو صاف کر دے گا۔

لہٰذا دُنیا میں خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے لئے کام کرتے ہوئے ایک دوسرے سے گلے اور شکوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین رنجش پیدا ہوئی' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں تو ہم کیسے یہ دعویٰ کریں گے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کبھی کوئی میل آتا ہی نہیں' کوئی رنجش کبھی پیدا ہوتی ہی نہیں۔ لیکن صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ تصور ذہن میں رکھا جائے کہ : ﴿ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ ﴾ پس اگر ہم جمع نہ بھی ہوئے تو کوئی حرج نہیں' ہمارا کام تو جمع ہو جائے گا۔ آپ بھی دین کے لئے محنت کر رہے ہیں اور میں بھی دین ہی کے لئے محنت کر رہا ہوں تو ان محنتوں کے ثمرات کہاں جمع (credit) ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

مسلمان کا طرزِ حیات(۱۰)

علامہ ابوبکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم: مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العقائد

بارھواں باب

قبر کا عذاب اور راحت

مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ مرنے والے کے لئے قبر میں راحت یا عذاب حق ہے' اور فرشتوں کا مرنے والے سے سوالات کرنا یقینی ہے۔ اس عقیدے کے نقلی اور عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

نقلی دلائل

① اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عذابِ قبر کا ذکر فرمایا ہے' مثلاً ارشاد ہے:

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ○ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ○ ﴾ (الانفال: ۵۰'۵۱)

"کاش آپ دیکھیں جب کافروں کو فرشتے فوت کرتے ہیں' ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں) جلنے کا عذاب چکھ لو۔ یہ سزا ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے (انجام دے کر) آگے بھیجے تھے' اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ ﴾

(الانعام : ۹۳'۹۴)

"کاش آپ دیکھیں جب ظالم سکراتِ موت میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے (کہہ رہے) ہوتے ہیں : نکالو اپنی جانیں! آج تمہیں ذلت کی سزا ملے گی کیونکہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور اس کی آیات (قبول کرنے) سے تکبر کرتے تھے۔ اور تم ہمارے پاس اکیلے ہی آگئے ہو جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا' اور جو کچھ ہم نے تمہیں (مال و دولت وغیرہ) دیا تھا وہ اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہو' اور ہمیں تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی بھی نظر نہیں آرہے جن کے بارے میں تمارا خیال تھا کہ تمہارے اندر (ہمارے) شریک ہیں۔ تمہارے تعلقات منقطع ہوگئے اور تمہارے تمام (غیر حقیقی) خیالات و عقائد گم ہوگئے۔"

نیز فرمایا :

﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ○ ﴾ (التوبة : ۱۰۱)

"ہم انہیں دوبار عذاب دیں گے' پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں گے"۔

ایک مقام پر فرمایا :

﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ (المؤمن : ۴۶)

"جہنم ہے جس میں انہیں صبح و شام حاضر کیا جاتا ہے۔ اور جس دن قیامت ہوگی (تو کہا جائے گا) : آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کردو۔"

نیز فرمایا:

﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ﴾

(ابراھیم: ۲۷)

"اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو پختہ بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی' اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے' اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

(۲) رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیثِ مبارکہ میں اس کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ' اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ : مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ —— لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ —— فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ : اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ' فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا' وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْكَافِرُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ : مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُوْلُ : لَا اَدْرِيْ' كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ' فَيُقَالُ لَهٗ : لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ' وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهُ مَنْ يَلِيْهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ))(۱)

"جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے پاس سے واپس ہو جاتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں' وہ اسے بٹھا لیتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں: تُو اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق کیا کہتا تھا؟ تو مؤمن کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے: جہنم میں اپنا ٹھکانا دیکھ لے' اس کے بدلے اللہ نے تجھے جنت میں جگہ دے دی ہے۔ اسے بیک وقت دونوں جگہیں نظر آجاتی ہیں۔ اور منافق یا کافر سے فرشتے کہتے ہیں: اس شخص کے متعلق

تو کیا کہتا تھا؟ وہ کہتا ہے : مجھے معلوم نہیں۔ وہ کہتے ہیں : نہ تو نے جانا نہ مانا۔ اور اُسے لوہے کے ہتھوڑوں سے ضرب لگائی جاتی ہے۔ وہ اتنے زور سے چیختا ہے کہ دو مخلوقات (جن وانس) کے علاوہ قریب کی ہر چیز سن لیتی ہے"۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے :

((اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ' اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ' فَيُقَالُ لَهُ : هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (۲)

"جب تم میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اسے صبح و شام اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے' اگر جنّتی ہے تو جنّت والا ٹھکانا اور اگر جہنمی ہے تو جہنم والا ٹھکانا۔ اس سے کہا جاتا ہے : یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اٹھا کھڑا کرے۔"

آنحضور ﷺ دعا کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے تھے :

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ)) (۳)

"اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں قبر کے عذاب سے' آگ کے عذاب سے' زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیحِ دجّال کے فتنہ سے"۔

ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا :

((اِنَّهُمَا يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ' ثُمَّ قَالَ بَلٰى' اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰى بِالنَّمِيْمَةِ' وَاَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ)) (۴)

"ان دو شخصوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا"۔ (۵) پھر فرمایا : "ہاں (گناہ تو بڑے ہی ہیں) ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا (۶) اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا"۔

(۳) امّتِ محمدیہ (علٰی نبیّھا الصلاۃ والسلام) اور سابقہ اُمّتوں کے اربوں علماء' صالحین اور اہلِ ایمان قبر کے عذاب و ثواب اور قبر کے متعلق بیان کردہ دوسرے امور پر ایمان رکھتے تھے اور ایمان رکھتے ہیں۔

عقلی دلائل

(۱) جب کوئی شخص اللہ پر' فرشتوں پر اور قیامت پر ایمان لے آتا ہے تو لازمی ہے کہ عذاب و ثوابِ قبر پر بھی یقین رکھے' کیونکہ یہ تمام امور غیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو شخص غیب کی بعض باتوں کو مانتا ہے' عقلی طور پر اس کے لئے لازم ہے کہ دیگر امور کو بھی تسلیم کرے۔

(۲) قبر کا عذاب' قبر کی راحت اور اس سے متعلّقہ امور' مثلاً فرشتوں کا سوال کرنا' ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو عقل کے منافی ہو یا عقل اسے محال قرار دیتی ہو' بلکہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے اور اس کا اقرار کرتی ہے۔

(۳) انسان بعض اوقات نیند میں ایسا خواب دیکھتا ہے جس سے اسے لذّت اور روحانی خوشی ہوتی ہے اور جب وہ جاگتا ہے تو اسے افسوس ہوتا ہے کہ یہ تو محض خواب تھا۔ اسی طرح خواب میں بعض اوقات ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے وہ غمگین یا پریشان ہوتا ہے اور جب آنکھ کھلتی ہے تو اللہ کا شکر کرتا ہے۔ تو خواب کی یہ راحت اور تکلیف خواب دیکھنے والے کی روح پر اثر انداز ہوتی ہے' جب کہ ہم نہ اسے دیکھتے ہیں نہ محسوس کرتے ہیں' اس کے باوجود کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ جب یہ بات ہے تو پھر قبر کی راحت اور تکلیف کا انکار کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ یہاں بھی معاملہ اس سے بالکل مشابہ ہے؟

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب ما جاء فی عذاب القبر

(۲) صحیح البخاری ' کتاب الجنائز' باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی

(۳) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب التعوذ من عذاب القبر

(۴) صحیح البخاری' کتاب الجنائز' باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول

(۵) یعنی اگر وہ ان گناہوں سے بچنا چاہتے تو مشکل نہ تھا۔

(۶) یعنی ایک کی بات دوسرے کو پہنچا کر ان میں فساد ڈال دیتا تھا۔

جدید نظریاتی چیلنج اور علمائے کرام

تحریر : مولانا محمد عیسیٰ منصوری ☆

موجودہ دَور کا سب سے بڑا مسئلہ ان افکار و نظریات کا ہے جو اس زمانہ میں مذہب کی جگہ لے چکے ہیں۔ اسلام ایک واضح فکر و عقیدہ کا نام ہے جو اپنی سادگی، حقّانیت، فطرت اور عقلِ سلیم کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے اندر زبردست کشش و قوت رکھتا ہے۔ دشمنانِ اسلام ہمیشہ اسلام کی دعوت و فکر کی طاقت سے خوف زدہ رہے۔ یورپ صلیبی جنگوں کے بعد یہ حقیقت سمجھ چکا تھا کہ اسلام کو نہ نظریہ و فکر کے میدان میں شکست دی جا سکتی ہے اور نہ عسکری میدان میں۔ انہوں نے صدیوں کے غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کے بعد مسلمانوں کو رام کرنے کے لئے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس سے مسلمان اپنی پوری تاریخ میں نا آشنا تھے۔ اسلام کے شاطر دشمنوں نے خلافِ اسلام افکار و نظریات کو خوشنما بنا کر جدید انداز میں اس طرح مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیا کہ جن کے قبول کرنے کے بعد خود بخود اسلام کی صداقت و حقانیت میں شکوک و شبہات پیدا ہو کر انسان اسلام کی بنیادی صداقتوں اور اساسیات سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی بھی پہلو سے اسلام کا کھلم کھلا حریف بننے کے بجائے مذہب کا ایسا تصور پیش کر دیا جائے اور اس پر چاروں طرف سے ایسے افکار و نظریات کی یلغار کر دی جائے جو اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کو متزلزل کر دے اور مسلمان کو اس بات کا شبہ تک نہ ہو کہ وہ اسلام کی مخالف سمت میں جا رہا ہے، کیونکہ دشمن اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں نہایت ذکی الحس واقع ہوا ہے اور اسلام کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنا اس کے لئے معمولی چیز ہے۔ اس لئے گزشتہ ڈیڑھ دو صدی سے اس کا حملہ ایک ایسی سمت سے ہو رہا ہے جس سے پوری تاریخ میں

☆ صدر ورلڈ اسلامک فورم لندن

مسلمان ناواقف رہے ہیں۔ انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام سے بیگانہ ہو کر ایسے افکار و نظریات کو اپنا چکے ہیں جس کے نتیجے میں انسان اسلام کے بنیادی عقائد و فکر سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔

یہ خاموش فکری حملہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران عالمِ اسلام پر یورپ کی عسکری و سیاسی ساخت کے پسِ پشت تعلیم اور جدید افکار کے نام پر اسلام سے تصادم لئے بغیر اس خاموشی سے داخل ہو گیا کہ مسلم علماء و مفکرین کو عرصہ تک اس کا احساس تک نہیں ہو سکا کہ اس سے کتنی تباہی آئی ہے۔ اب بھی مغرب کی یلغار برابر جاری ہے۔ اس کی تکنیک اور طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ براہ راست یا بالواسطہ اسلام کے مقابلے پر نہیں آتا اور نہ صراحتاً اسلام کی تردید کرتا ہے' بلکہ بظاہر اسلام سے بالکل لا تعلق و اجنبی نظر آتا ہے اور اسلام سے اس طرح قطع نظر کرتا ہے کہ گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ سب اسلام کے عین ضِد اور مقابل ہے۔ وہ علم و تحقیق' عقلی استدلالات اور جدید نظریات کے نام پر انسان اور کائنات کی ایسی تشریح و توضیح کرتا ہے جس سے خدا' رسالت و آخرت اور سرے سے مذہب کی کوئی گنجائش و ضرورت نہیں رہتی۔ کسی مسلمان کو ذرہ برابر شک نہیں ہوتا کہ ان افکار و نظریات کا قائل ہونا اور تسلیم کرنا اسلام کے انکار کو مستلزم ہے۔ عالمِ اسلام یورپ کی سائنسی و ٹیکنالوجی ترقی اور دیگر عصری علوم کے میدان میں اس کی متواتر کامیابیوں اور سبقت کی مرعوبیت کے سبب علم و عقل اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھے بغیر ان اوہام و خرافات کو علم و عقل' شعور و آگہی اور ترقی کے نام پر قبول کر چکے ہیں۔ جب مسلمان ان افکار و نظریات کو اختیار کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ علم و آگہی' ترقی یافتہ نظریات اور جدید فلسفوں کو اختیار کر رہا ہے۔ اس طرح یہ خلافِ اسلام باطل افکار اس طرح قبول کر لئے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں اس بات کی کھٹک تک نہیں ہوتی کہ ان کے قبول کرنے سے اسلام کی نفی ہو رہی ہے۔ غرض یہ بات حرف بہ حرف صحیح ہے کہ اس پیمانے پر اس نوعیت کا فتنہ جسے بجا طور پر ایک جدید ارتداد کہا جا سکتا ہے' اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوا۔

اس ماڈرن ارتداد کی تکنیک اور طریقہ واردات سے عام مسلمان تو کجا ہمارے

مذہبی رہنما اور علماء کرام تک اتنے بے خبر اور ناواقف ہیں کہ انہیں اس کی اتنی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی گزشتہ زمانے میں چند مسلمانوں کے عیسائی یا ہندو ہو جانے سے ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طوفان کی زہرناکی' منفی اثرات' گہرائی و گیرائی کا کماحقہ شعور و احساس نہ کرسکے۔ جدید علم و فکر کی اس نظریاتی یلغار کو بجا طور پر جدید ارتداد کہا جاسکتا ہے۔ مذاہب اور ارتداد کی تاریخ کا بہ نظرِ غائر مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی معاشرہ میں ارتداد دفعتاً نہیں آتا بلکہ اس کے اثرات تدریجاً رونما ہوتے ہیں۔ پہلے باطل نظریات و افکار سے دل و دماغ متاثر ہوتا ہے' اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات سے اعتماد متزلزل ہوتا ہے' ایمانیات میں شکوک و شبہات در آتے ہیں' پھر اس کے اثرات عمل پر پڑتے ہیں۔ اجتماعی معاملات (اقتصادیات' سیاست' نظم و نسق اور قانون) میں اسلام ناقابلِ عمل نظر آتا ہے' پھر عبادات' نماز روزہ وغیرہ میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے آخر میں زبان پر بھی آتا ہے۔ یعنی لسانی سے پہلے قلبی و عملی ارتداد آتا ہے۔ اب مغرب کے جدید تکنیک و طریقہ واردات نے سہولت بھی مہیا کردی ہے کہ زبان پر لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اس کے نزدیک مسلم معاشروں میں داخل رہ کر ہی اس کی بہترین خدمات انجام دی جاسکتی ہیں۔ پہلے زمانے میں جب کوئی مسلمان کسی باطل مذہب کے اثرات قبول کرتا تھا تو ضروری تھا کہ وہ کسی گرجا یا مندر میں جاکر شدھی یا بپتسمہ کی کارروائی سے گزرے' گلے میں صلیب ڈالے یا ماتھے پر قشقہ لگائے' اس کے بعد وہ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جاتا اور اسلام سے اس کی دشمنی آشکارا ہو جاتی اور دوسرے مسلمان اس کی طرف سے ہوشیار اور چوکنا ہو جاتے۔

لیکن اسلام پر یہ نیا حملہ کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ علم' عقل' شعور و آگہی' فلسفہ و نظریات کے نام پر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد' افکار و نظریات سے الگ ہو کر بھی مسلمانوں کے معاشرہ میں مسلمان بن کر رہیں' ان ہی میں شادی بیاہ کریں' دوستی' رشتہ داری' میل ملاپ اور کھانے پینے کے تعلقات قائم رکھیں' کبھی کبھی رسمی طور پر ان کی عبادات (جمعہ و عیدین) میں بھی شریک ہوں۔ ان لوگوں کو مسلم معاشرہ میں ان کے تمول اور تعلیم و سیاست میں

امتیاز کی وجہ سے خصوصی عزت و توقیر کا مستحق سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں امتیازی درجہ دیا جاتا ہے۔ وہ بڑی شان و شوکت سے مسلم گھرانوں میں شادی رچاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بڑے بڑے مجمعے اُن کا جنازہ پڑھتے ہیں' مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کے ماڈرن مرتد فقط اپنی ذات تک ہی ایسی راہ اختیار نہیں کرتے جو اسلام کے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہے' بلکہ آگے بڑھ کر یہ حضرات تعلیم و سیاست میں ممتاز ہونے کی وجہ سے سیاست و حکومت' کونسلوں اور اسمبلیوں' وزارتوں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر اور اونچی اونچی کرسیوں پر براجمان ہو کر مسلمانوں کے اعلانیہ نمائندے کہلاتے ہیں' اور ان کے حساس ترین اور کلیدی مسائل کو اپنے نظریات و صوابدید کے مطابق طے کرتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام (یہود و نصاریٰ' ہنود) سے سیاست و حکمرانی' ثقافت و کلچر' اقتصادیات و تجارت' تعلیم و آرٹ کے حوالے سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ بیرونی اسلام دشمن طاقتیں انہیں اپنا نمائندہ بنا کر جوش و خروش سے ان کا استقبال کرتی ہیں' کیونکہ فی الحقیقت یہ لوگ اپنی بڑی طاقتوں کا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مغربی میڈیا انہیں مسیحا بنا کر پیش کرتا ہے اور بڑی طاقتیں ان کے واسطے سے ترقی و خوشحالی کے نام پر مسلم ملکوں اور معاشروں میں اپنی پالیسیاں' نظریات' ثقافت و کلچر پوری آزادی و سہولت سے نافذ کرتی ہیں اور ان لوگوں کے واسطے سے مسلم ملکوں کی اقتصادیات' تجارت' تعلیمی و تمدنی مراکز' معاشرت غرض ہر میدان میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتی جاتی ہیں۔ ان بیرونی طاقتوں کے لئے یہ راستہ براہ راست مُسلم قوموں و ملکوں کو غلام بنا کر اُن پر کنٹرول کرنے کی ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کی نسبت آسان و کم خرچ اور بے خطر نظر آتا ہے۔ جب کبھی یہ اسلام دشمن طاقتیں دیکھتی ہیں کہ ان لوگوں میں کوئی اپنے عوام پر گرفت کھو چکا ہے اور اس کے واسطے سے اپنی تجارتی و معاشی' تہذیبی و تمدنی' فکری و نظریاتی پالیسیاں جاری رکھنی دشوار ہو گئی ہیں' عام لوگ ان سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف دیکھنے لگے ہیں تو بڑی چابک دستی و ہوشیاری سے وہ اس مہرے کو ہٹا کر دوسرا مہرہ لے آتے ہیں جو ان کے حسب ہدایت وقتاً فوقتاً سلام بھی پڑھتا ہے اور ضرورت پڑے تو عمرے کرتا ہے' ہاتھ میں تسبیح پکڑ لیتا ہے' پھر دوبارہ عالمی میڈیا (جس پر اسلام دشمن طاقتوں کی مکمل اجارہ داری

ہے)اس کا امیج بنانے میں جُت جاتا ہے۔ اسی طرح مسلم قوم اور ملک اس دوسرے مہرے کے ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ استعماری طاقتوں سے سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ہر مسلم ملک کی یہی مسلسل کہانی ہے کہ ان کے حکمرانوں اور سربرآوردہ طبقہ کے دل و دماغ پر قرآن اور محمد ﷺ کے بجائے مغربی افکار و نظریات کی حکمرانی رہی۔

مسلم دنیا کی بھاری اکثریت جو اسلام اور قرآن پر غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتی ہے وہ اپنی سادگی و سادہ لوحی سے یہ سمجھتی ہے کہ پہلے چند سال ملک کو معاشی استحکام و خوشحالی حاصل ہو جائے تو ہمارے حکمران خود بخود قرآن و سنّت کی شاہراہ پر لے چلیں گے۔ اس خوش فہمی میں قوم ان کے قدم بقدم ساتھ چلتی رہتی ہے۔ مسلم ملکوں میں اگرچہ مغربی تہذیب و افکار کے نمائندوں کی تعداد دو سے چار فیصد سے زائد نہیں مگران افراد کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ حال ہے کہ وہ سیاست و حکومت' تجارت و معیشت' تعلیم و ذرائع ابلاغ پر پوری طرح قابض ہونے کی وجہ سے بآسانی اسلام کا درد و فکر رکھنے والی جماعتوں' تنظیموں اور علماء کو کچل دیتے ہیں اور جدید ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے زور پر انہیں علم و سائنس اور ترقی و خوشحالی کا دشمن ظاہر کرکے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ دینی جماعتیں اور علماء ذرائع ابلاغ میں اپنا نقطۂ نظر پیش نہیں کرپاتے اور اس گھناؤنے طریقے پر ان کی کردار کشی کی جاتی ہے کہ وہ دیوار سے لگ جاتے ہیں۔ اور اس سارے عمل میں انہیں بیرونی اسلام دشمن طاقتوں اور عالمی میڈیا کی بھرپور آشیرباد حاصل رہتی ہے۔ پھر اطمینان سے یہ لوگ اپنے بیرونی سرپرستوں اور آقاؤں کے مفادات پورے کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اسلام کو اس صورت حال اور اس نوعیت کے فکری و نظریاتی حملہ سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہ فکری یلغار جتنی عام اور ہمہ گیر تھی بظاہر اتنی ہی سادہ اور مذہب سے بے تعلق دکھائی دیتی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اب تک اس نئے حملے کی نوعیت و گہرائی کو سمجھ نہیں پائے' کیونکہ اسلام کے فکری نظام اور بنیادی عقائد پر تیشہ چلانے والے یہ کفریہ افکار و نظریات کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ عقل و دانش اور جدید تھیوری و فلسفوں کے نام سے داخل

ہوئے تھے۔ ان کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ کروڑہا مسلمان اس کی زد میں بہہ کر اسلام کی اساسیات اور بنیادی عقائد سے بیگانہ ہو گئے اور خبر تک نہیں ہوئی کہ ماڈرن نظریات کے نام پر کتنی زبردست تباہی ملت اسلامیہ میں آئی ہے۔

اس مسئلہ کی طرف نصف صدی پیشتر غالباً سب سے پہلے جدید طبقہ میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے توجہ دلائی تھی اور طبقۂ علماء میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر لکھا۔ ان کے بعد مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے دمشق سے نکلنے والے اخوان المسلمون کے آرگن رسالہ "المُسلمون" میں "ردّة جديدة" کے نام سے دو قسطوں میں لکھا، پھر ایک مستقل رسالہ "ردّة ولا ابابكر لها" (ایک فتنہ ارتداد اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ابوبکر نہیں) کے نام سے لکھا جس کا اُردو ترجمہ اس وقت الفرقان میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے "نیا طوفان اور اس کا مقابلہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد پھر مسلسل خاموشی ہے، حالانکہ مرض کی صحیح نشاندہی کے بعد اس عرصہ میں کئی علمی و تحقیقی ادارے، جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو سامنے رکھ کر عصری اسلوب میں طاقتور لٹریچر اور جدید علم الکلام کا پورا کتب خانہ وجود میں آ جانا چاہئے تھا۔

ہمارے نزدیک صورت حال کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ علمائے کرام اس فاصلہ کو ختم کریں جو گزشتہ کئی صدیوں سے ان کے اور نئی نسل کے درمیان بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ان کے اور عصری علوم و تقاضوں کے درمیان پیدا ہو گیا ہے، اور عصری علوم و افکار سے بے خبری کو ختم کریں۔ موجودہ فکری و نظریاتی چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یورپین زبانوں، سائنٹفک طرزِ تحریر، جدید ترین ذرائع ابلاغ اور عصری تکنیک و اسلحہ سے پوری طرح واقف ہوں اور قرونِ وسطیٰ کے فلسفہ و منطق اور یونانی منطق و ایرانی افکار کے ماحول سے باہر نکلیں جو اس وقت ایک وقتی ضرورت کے تحت اختیار کئے گئے تھے تو انہیں قرآن و سُنّت سے عصری گمراہیوں اور فکری چیلنجوں کا علمی و فکری میدان میں جواب دینے کی پوری رہنمائی ملے گی۔ اس لئے کہ قرآن و سُنّت ہر دَور کی کجی و بے راہ روی اور فکری و نظریاتی ضلالت و گمراہی سے نکال کر شاہراہ علم و حقیقت اور فوز و کامرانی پر گامزن کرنے کے لئے بالکل کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دل و دماغ کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ OO

(بشکریہ : انوارِ مدینہ، لاہور)

قیامِ اسرائیل اور نیو ورلڈ آرڈر

معروف سعودی دانشور ڈاکٹر سفر الحوالی کی تہلکہ خیز کتاب
کی سلسلہ وار اشاعت —— قسط پنجم

عہدِ ربّانی کی حقیقت

عزیز بھائیو! موضوعات تو بہت ہیں' لیکن میں مختصراً یہ کہنا چاہوں گا کہ جو لوگ تورات میں مذکورہ من گھڑت عہد پر ایمان رکھتے ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ مسیحِ دجّال پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اسرائیل کے منصوبہ سے موافقت کرتا ہے وہ بلاشبہ مملکتِ دجّال کی تاسیس میں معاون ہے اور اپنی تمام کوششیں توراتی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے میں کھپا رہا ہے جس کے دعوے دار یہود و نصاریٰ ہیں' وہ اپنی صلاحیتیں صیہونی اہداف کے پورا کرنے میں لگا رہے ہیں جن پر یہود و نصاریٰ کاربند ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی مجلس کے اختتام پر اِس سوال کا جواب دیں جو آپ میں سے اکثر ساتھیوں کے ذہن میں ہو گا کہ میڈرڈ امن کانفرنس میں اِن یہود و نصاریٰ بنیاد پرستوں کا کیا موقف ہے۔ ان حضرات کا وہی پرانا موقف ہے جس کا اظہار انہوں نے جنیوا کانفرنس میں کیا تھا —— میری بات توجہ سے سنئے —— اگر ایک طرف ہم' جنہیں امریکہ یا اس کے دم چھلے بنیاد پرست کہتے ہیں' اسرائیل اور اس کی جغرافیائی حد بندیوں کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ کسی میڈرڈ کانفرنس کے اعلامیہ کو مانتے ہیں تو دوسری طرف عیسائی بنیاد پرست بھی ہماری طرح ایک نقطہ نظر سے اسرائیل کو تسلیم نہیں کرتے' کیونکہ عیسائی عقیدے کی رو سے اسرائیل دراصل عیسیٰ علیہ السلام کی سلطنت ہے اور بالآخر یہودی عیسائی بن جائیں گے۔ گویا یہودیوں کے اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے میں فریقین کا اتفاق ہے' مگر دونوں کے تسلیم نہ کرنے میں فرق ہے۔

ہمارا ایمان اللہ کے سچّے وعدے پر ہے' جبکہ عیسائی مَن گھڑت اور جھوٹے وعدے پر ایمان رکھتے ہیں جو سرا سر اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور دونوں وعدوں کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بحمد اللہ جس وعدہ پر ہمارا ایمان ہے اس کی سند قرآن و حدیث ہے۔

بات ختم کرنے سے پہلے بہتر ہو گا کہ مَیں آپ کو سچے وعدے کی بابت چند بشارتیں بتاتا چلوں۔ ان بشارتوں پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم اپنی نمازوں کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحۃ کی تلاوت کرتے ہیں جس میں ہم کلام اللہ کی یہ آیت بھی پڑھتے ہیں :

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا' جو معتوب نہیں ہوئے' جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔"

اللہ کا غضب یہودیوں پر ٹوٹا اور گمراہی کی راہ عیسائیوں نے اختیار کی۔ ہم ہر رکعت میں ان کے مذموم وعدے کی منسوخی کا اعلان کرتے ہیں جو سرا سر باطل اور من گھڑت ہے۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام سے ایک عہد باندھا گیا تھا جو اُمّتِ اسلامیہ کے حق میں ہے' وہ اُمت جس پر اللہ کی برکتیں ہر وقت نازل ہوتی ہیں اور وہ ان کی آبادی میں اضافہ کرتا جا رہا ہے' اور یہ اُمت اپنے اندر تمام اقوام اور قبیلوں کو سمائے ہوئے ہے۔ اور تورات میں جس اُمت کے بابرکت ہونے کا ذکر آیا ہے وہ سوائے اُمّتِ محمدیؐ کے اور کوئی نہیں۔ عرب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے' اور وہ دنیا کی تمام اقوام میں گھلے ملے ہیں۔ تم انہیں جاوا کے جزائر میں پاؤ گے' تمہیں یہ ہندوستان میں ملیں گے' یہ تمہیں افغانوں میں نظر آئیں گے' تم اِن کی نسلوں کو یورپ میں پا سکتے ہو' بربر قبائل میں عرب جا بسے' حبشہ میں یہ موجود ہیں۔ غرض ہر قوم اور ہر علاقے میں جا کر آباد ہونے والے عرب ہیں۔ یہ ہے وہ قوم جس کی نسل اللہ تعالیٰ نے خوب بڑھائی اور ان پر برکت فرمائی اور فلسطین کا مقدس خطہ انہیں ورثے میں آیا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ عرب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کی وراثت میں یہ خطہ آیا ہے اور ابدی عہد انہی کے ساتھ ہے۔

دوسری طرف یہودیوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی وعید ہے' جس کا ذکر پوری وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے :

﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

(الاعراف : ۱۶۷)

"اور یاد کرو جبکہ تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو اُن کو بدترین عذاب دیں گے۔ یقیناً تمہارا رب سزا دینے میں تیز دست ہے اور یقیناً وہ درگزر اور رحم سے بھی کام لینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ان سے یہ عہد ہے جو کبھی ٹوٹنے کا نہیں۔ جو لوگ میڈرڈ یا غیر میڈرڈ کانفرنس سے اتفاق رکھتے ہیں وہ جان لیں کہ وہ اس آیت کی سراسر نفی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنی اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے۔ ہٹلر کا فعل اس آیت کا منشا تھا' تحریک آزادی' فلسطین بھی اسی آیت میں آتی ہے' مقبوضہ سرزمین میں جاری جہاد اسی آیت کا منشا ہے جو روئے زمین کے تمام یہودیوں کی ہلاکت تک جاری رہے گا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ﴾

(آل عمران : ۱۱۲)

"یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلّت کی مار پڑی' کہیں اللہ کی حفاظت میں یا انسانوں کی حفاظت میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے' یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں' ان پر محتاجی اور مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے"۔

میرے بھائیو! ان پر ذلّت مسلط کر دی گئی ہے سوائے تھوڑے عرصے کے۔ ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کہیں اللہ کی حفاظت میں یا انسانوں کی حفاظت میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے' استثنائی حالات میں جونہی یہ کچھ کرنے کے قابل ہوئے اللہ کی

سنت ان پر پلٹتی ہے۔ سورت الاسراء میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا○ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ ﴾ (بنی اسراءیل : ۷،۸)

"پھر جب دوسرے وعدے کے وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (بیت المقدّس) میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر ان کا ہاتھ پڑے اسے تباہ کر کے رکھ دیں۔ ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے، لیکن اگر تم نے پھر اپنی سابق روش کا اعادہ کیا تو ہم بھی اپنی سزا کا اعادہ کریں گے"۔

یہ ہے ان کے ساتھ وعدہ جس پر ہمارا ایمان ہے ﴿ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں بشارت فرمائی : ((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا الْيَهُوْدَ)) "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک تم یہودیوں سے جنگ نہ کر لو"۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والے خوب سن لیں کہ وہ اللہ کی کتاب سے اور اس کے رسول ﷺ کے قول سے منہ موڑ رہے ہیں :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا الْيَهُوْدَ حَتّٰى يَقُوْلَ الشَّجَرُ وَالْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِيْ فَتَعَالَ اقْتُلْهُ))

"قیامت اُس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک تم یہودیوں سے جنگ نہ کر لو، یہاں تک کہ درخت اور پتھر کہیں گے : اے مسلم! او اللہ کے بندے! یہ دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہے، پس اس کے قتل کرنے میں دیر نہ کر"۔

اللہ کی قسم اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

اسی طرح کتاب الفتن میں روم کے ساتھ جن جنگوں کا ذکر کیا گیا ہے اور الحمد للہ صحیح حدیثیں ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ جس علاقے کو یہ بدمعاش اپنے نیو ورلڈ آرڈر میں امن و سلامتی و خوشحالی کا خِطّہ بنانے کا کہہ رہے ہیں صحیح حدیثیں واضح اور دو ٹوک انداز میں بتاتی ہیں کہ یہ خطہ فتنوں، جنگوں اور خون آشامی کی آماجگاہ بننے والا ہے۔ انہی فتنوں کے

بارے میں حدیث کے الفاظ ہیں :

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا يُقَاتِلُكُمُ الرُّوْمُ وَيَنْزِلُوْنَ فِي الْاَعْمَاقِ))

"قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک روم تم سے جنگ نہ کرے اور رومی مقامِ اعماق تک نہ پہنچ جائیں"۔

اور دوسری روایت میں ہے : ((حَتّٰى تَنْزِلَ الرُّوْمُ بِدَابِغٍ)) "یہاں تک کہ روم مقامِ دابغ تک پہنچ جائے"۔ اور ارضِ شام دراصل مقامِ جنگ ہے۔ یہ اراضی بھی بڑی اور ہونے والی جنگ بھی بڑی۔ مسلمانوں کے معرکوں کے لئے بھی یہی جگہ ہے جو فتح قسطنطنیہ اور فتح روم کا پیش خیمہ ہو گی، جس کی بابت آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کچھ حصہ برّی اور کچھ حصہ بحری ہے۔

بلادِ شام کی فضیلت پر کافی حدیثیں ہیں جن پر امام ابن تیمیہؒ نے کافی وضاحتیں کی ہیں اور فرمایا کہ آخری زمانے میں ارضِ شام مسلمانوں کا ایک قلعہ بنے گی جہاں مسلمان رومیوں سے جنگ کریں گے۔

اس موضوع پر بہت سی حدیثیں ہیں جن کے لئے وقت ناکافی ہے۔ یہ تمام حدیثیں ان باتوں کو صاف جھٹلا رہی ہیں جو ہم نے درس میں بیان کیں، خواہ یہ باتیں توراتِ محرّفہ میں آئی ہوں، امریکہ کے سربراہوں نے کہی ہوں، یا کہنے والے بنیاد پرست عیسائی ہوں یا امن کے علمبردار، سب جھوٹ اور فریب کا پلندہ ہے۔

میڈرڈ کانفرنس کا مقصد، جیسا کہ صدر بش نے اپنے بیان میں کہا، فریقین کے مابین جنگ بندی ہی نہیں بلکہ فریقین کے درمیان دشمنی اور عداوت کو ختم کرنا ہے، اور یہی اُن کی اصل خواہش ہے، مگر اللہ تعالیٰ خود اس دشمنی اور عداوت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ان شاء اللہ ہماری ان سے دشمنی اور عداوت قائم رہے گی، ضرور رہے گی :

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ ﴾

(محمد : ۳۸)

"اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ﴾ (المائدۃ : ۵۴)

"اے وہ لوگو جو لوگ ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہو گا' جو مؤمنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے' جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے"۔

اس اہم مرحلے پر اگر ہم نے جہاد ترک کر دیا اور ان دشمنوں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو یاد رکھو ہم ارتداد کے مرتکب ہوں گے جس جہاد کے کرنے کا حکم ہمیں اللہ نے دے رکھا ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو لائیں گے جن کے اوصاف آیت میں بتلائے گئے ہیں۔

مذکورہ عہد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ . . . . ﴾ (النور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا"۔

ایمان لانے والوں سے اللہ کا خلافت دینے کا وعدہ ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا :

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۵)

"اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"۔

اس کے علاوہ اور بہت ساری بشارتیں ہیں۔ جیسے حدیث میں آیا ہے : ((اِنَّ هٰذَا

الدِّيْنَ يَبْلُغُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ)) "بے شک یہ دین ہر اُس جگہ پہنچے گا جہاں دن اور رات ہوتے ہیں"۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری بشارتیں ہیں جو وعدۂ حق کی تائید کرتی ہیں اور وعدۂ باطل کی تکذیب کرتی ہیں :

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ ﴾

(الانبیاء : ۱۸)

"مگر ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں جو اُس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے"۔

اس کے بعد ذرا کٹر عیسائیوں کی بات بھی سن لیں۔ یہ خبیث پاٹ رابرٹسن کہتا ہے :
"امن سمجھوتہ کرنے کی میری بڑی خواہش تھی اور میں اس کا اظہار بھی کرنا چاہ رہا تھا' مگر میرا ایمان اس کی اجازت نہیں دیتا' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہرمجدّون کا واقعہ ضرور ہو گا' آخری فیصلہ کن معرکہ قریب ہے' ہرمجدّون ہوئی کہ ہوئی' اور یہ معرکہ وادی مجدون میں ٹھنے گا۔ بس سمجھو کہ یہ جنگ ہو چکی"۔

یہ امن سمجھوتہ کرنا چاہ رہے تھے' مگر اب اس کا کچھ فائدہ نہیں رہا' سیاہ راتیں چھا چکیں' ہم سمجھوتہ تو کرلیں لیکن ہونے والی جنگ کا کیا کریں جس میں یہ کاغذ کے پرزے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

آپ نے جان لیا کہ فریقین مسلمان و اہل کتاب کے موقف میں کس قدر مشابہت ہے۔ ہم بھی اسی بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ معرکہ ہو کر رہنا ہے' خواہ جتنی بھی کانفرنسیں بلالی جائیں' اور وہ بھی اسی بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ سچا وعدہ کن کے ساتھ ہے اور جھوٹا وعدہ کن کے ساتھ ہے۔

دوسرا خبیث جیری فول ویل ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہوا' جیری فول ویل نے کہا :
"امن کی توقع حماقت ہے"۔ تمام وہ کوششیں جو امریکہ اور دوسرے ممالک کر رہے ہیں حماقت کے ڈانڈے ہیں' کیونکہ یہ کوششیں کتابِ مقدّس کے خلاف ہیں۔ اس نے کہا :
"اسرائیل کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ ایک بالشت زمین سے بھی دستبردار ہو' یہ خطّہ تورات کا خطّہ ہے جس کا وعدہ اس نے اپنے مؤمنین سے کر رکھا ہے"۔

ایک اور کٹر عیسائی Doughlas Chrocker ہے جو اسرائیل کو امن سمجھوتے سے خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے : "انجیل پر پختہ ایمان رکھنے والے یہودی آرتھوڈکس (Orthodox) کی طرح ہیں جو دونوں ارضِ موعود سے لو لگائے ہوئے ہیں' وہ ارضِ موعود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اس کی اولاد سے کیا تھا۔ اسرائیل اپنے موقف کی ایسی صورت گری کے لئے جو امریکیوں کو قابل قبول ہو' ہمارے وسیع نشریاتی اسٹیشن بلا جھجک استعمال میں لا سکتا ہے' نشریاتی اسٹیشن خواہ سماعی ہوں یا مرئی . . . . . اللہ تعالیٰ اسرائیل کو مضبوط فوجی قوت دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جیسے جیسے اسرائیل کی فوجی قوت میں اضافہ ہوتا جائے گا امریکہ میں مذہبی دایاں بازو اپنی حمایت بڑھاتا جائے گا اور باہمی روابط مزید پختہ ہوں گے"۔

مراد ہے تم جتنی شدت سے یہ امن کانفرنس ٹھکراؤ گے اے یہود! ہمیں اتنا اپنے قریب پاؤ گے۔ ہم دائیں بازو کی مذہبی شخصیات اس بات سے خوب راضی ہوں گی' کیونکہ وہ خود پہلے ہی اس امن کانفرنس کو ٹھکرا چکے ہیں۔

جِم رابرٹسن (Jim Robertson) ایک اور کٹر عیسائی ہے اور امریکی حکومت میں اچھا خاصا اثر و رسوخ رکھتا ہے' یہاں تک کہ ایک مرتبہ صدر ریگن نے اپنی پارٹی کی افتتاحی تقریب میں اس سے دعا کی درخواست کی' دعا جس کا ان کے ہاں اپنا مفہوم ہے۔ جم رابرٹسن نے کہا : "اُس وقت تک امن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک مسیح آ نہ چکیں"۔

اس نے مزید کہا : "نزولِ مسیح سے پہلے امن کی خوشخبری دینا کفرِ بواح ہے"۔ یعنی اللہ کی آیات سے کفر کرنا ہے گویا جو شخص امن کے لئے کوشش کرے وہ اس کے خیال میں اللہ کی آیات سے کفر کرنے کا مرتکب ہوتا ہے' کیونکہ آیاتِ ربانی کی رو سے ایسا ممکن نہیں۔ اُس نے کہا : "یہ اللہ کی مخالفت ہے اور مسیح کی بھی مخالفت ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب "الانجلیون العسکریون" کی مؤلفہ لکھتی ہے : "انجیل مقدس پر سختی سے ایمان لانے والے چار کروڑ افراد اس بات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں کہ اسرائیل عربوں کے جن جن علاقوں کو لے سکتا ہو لے لے' کیونکہ یہ خواہش خود اللہ تعالیٰ کی اپنی ہے۔"

اس کا اس بات پر بھی یقین ہے جس طرح وہ خود کہتے ہیں کہ : "ہم عیسائی ہوتے ہوئے نزولِ مسیح کی تاخیر کا باعث بن رہے ہیں' کیونکہ ہم اسرائیل کی مزید فلسطینی علاقے حاصل کرنے میں مدد نہیں کر رہے"۔

اندازہ لگائیں اگر نئی یہودی بستیاں بسائی نہ گئیں تو اس سے مسیح کی آمد میں تاخیر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ امن کانفرنس کے علی الرغم اسرائیل مسلسل اپنی بستیاں بڑھا رہا ہے' خواہ مغربی پٹی کا علاقہ ہو یا جولان کا' اور اِن تجاوزات میں اسرائیل کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ اسرائیل سے پکار پکار کہہ رہا ہے کہ خبردار کسی کی باتوں میں آکر قبضہ مہم چھوڑ نہ دینا! ایسا شخص دراصل نزولِ مسیح میں تاخیر لانا چاہتا ہے' ضروری ہے کہ یہودی اکٹھے ہوں۔

عیسائیوں کے ایک بڑے رہنما نے اسرائیل سے کہا کہ کسی بین الاقوامی قانون کے چکر میں نہ آنا اور نہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے پھندے میں پھنسنا۔ یہودیوں کے لئے ان زیبائشی قواعد و ضوابط سے ہرگز وفاداری جائز نہیں۔ جس فریب خوردگی کا نام بین الاقوامی قانون ہے اسرائیل اس کی دھجیاں بکھیر دے' اور کیا چیز قانونی ہے اور کیا اخلاقی' اس کا تعین اپنی مرضی سے کرنا چاہئے۔ اس اصول کو بنیاد بناتے ہوئے جو اسرائیل کے لئے بہتر اور اس کی مصلحت میں ہو اُسے کر گزرے۔ یہی قانون ہے' اور یہی اخلاق ہے اور یہی شریعت ہے۔ اور بین الاقوامی قانون یہودیوں کو نئی آبادکاری کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہودی مفادات کے خلاف ہے تو اس قانون کو جوتیوں سے لتاڑ دو۔ بھاڑ میں جائیں قوانین و ضوابط۔ اور یہ بات کرنے والا کوئی اور نہیں' شامیر حکومت کی حزبِ مخالف کا لیڈر ہے اور یہ انجمن حقوقِ انسانی کا ممبر بھی ہے اور اس کا نام اسرائیل شاہاک ہے۔ اس نے کہا : "دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے نووارد عیسائی اسرائیل کی کسی بھی فوجی کارروائی یا خونریزی سے درگزر کرنے کو تیار ہیں"۔ گویا وہ اس کی حمایت کرتے ہیں۔

(جاری ہے)

محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا ایک گُلِ سرسبد
امین الاُمّت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

—— مرتّب : حافظ محبوب احمد خان ——

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کی ذاتِ گرامی اس دَور کے تمام اعلیٰ فضائل و مناقب کا مجموعہ تھی۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور اس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ آپ کی والدہ کا نام امیمہ بنت غنم بن جابر تھا۔ آپ کی والدہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں اور اُن کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی عمر اکتالیس سال تھی' لہٰذا آغازِ اسلام میں ۲۸ سال اور اس طرح وہ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم سن تھے۔ اُن کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جو اپنی کنیت سے مشہور ہوئے۔ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون' عبدالرحمٰن بن عوف اور اُن کے رفقاء کے ساتھ اسلام قبول کیا اور مکہ معظمہ وہ تمام اذیتیں برداشت کیں جو حلقہ بگوشانِ اسلام کو کفار کے ہاتھوں پہنچیں۔ آپ اُن دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ہیں جن کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے' اور جن کو خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ کا شمار اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں بھی ہے جنہیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی' پہلی بار آپ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف' جہاں آپ نے حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ بن ہدم کے یہاں قیام فرمایا۔ مواخات میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں آپؓ ہمیشہ نہ صرف شامل رہے' بلکہ ہر موقع پر اپنی جانبازی' حُبِّ رسولؐ اور اطاعت و اتّباع کے اَنمٹ نقوش قائم فرمائے۔ اسی

جانبازی' حُبِّ رسول اور اطاعت واتّباع کے باعث آپؓ آنحضور ﷺ کی نظر میں خاص اہمیت کے حامل تھے اور تربیتِ نبوی نے آپ کی شخصیت کو اس طرح نکھارا کہ آپ ہر پہلو سے ایک کامل شخصیت کا روپ دھار گئے۔ میدانِ جنگ میں ایک بہترین جرنیل' اخلاقی پہلو سے ایک مکمل شخصیت' امانت کے میدان میں "امین الاُمّت" کا لقب پایا اور شام میں اُن کی حکمرانی کا مختصر دور تاریخ اسلام کا ایک روشن پہلو ہے۔ آپ ہر میدان میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ رہے' خواہ یہ میدانِ جنگ ہو' خواہ سیاست کا میدان ہو یا امانت کا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر اُن کے والد کفّارِ مکّہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے' اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے (حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ) کو نہ صرف تلاش کرتے تھے بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اُن سے آمنا سامنا ہو جائے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے' لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اُن پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے' اس لئے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے' لیکن باپ نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا' اور بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا' اور جب مقابلہ سر پر آہی گیا تو اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم تھا اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا' باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی' اور ایمان کفر پر غالب آگیا۔ باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ (۱)

غزوۂ احد کے موقع پر جب کفار کے ناگہانی حملے میں سرکار دو عالم ﷺ کے مِغفر کے دو حلقے آپؐ کے رخسارِ مبارک میں اندر گھس گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا' یہاں تک کہ اس کشمکش میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوش نمائی میں فرق آجانا چاہئے تھا' لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اُن کے دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ (۲)

ربیع الثانی ۶ ہجری میں انہیں قبیلہ ثَعْلَبَة واَنمار کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔ یہ لوگ

اطرافِ مدینہ میں غارت گری کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اُن کے مرکزی مقام ذی القصہ پر چھاپا مارا' جس سے غارت گروں کی یہ جمعیت پہاڑوں میں منتشر ہو گئی' البتہ ایک شخص گرفتار ہوا' اور اس نے بطیب خاطر اسلام قبول کرلیا۔

حدیبیہ (٦ ہجری) کے صلح نامے میں بھی آپ کے دستخط بطور گواہ شامل تھے۔ ۹ ہجری میں جب وفد نجران یمن واپس گیا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں بھی تبلیغ اسلام اور صدقات کی وصولی کے لئے اس کے ساتھ روانہ کیا۔ یہی موقع تھا جب آنحضرت ﷺ نے' جیسا کہ روایات سے مترشح ہوتا ہے' آپ کو امین الاُمّہ کہا۔ پھر اسی سال ۹ ھ میں انہوں نے جزیے کی وصولی کے لئے بحرین کا سفر کیا۔

حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپ کی تعریف فرمائی' جن میں سے چند درج ذیل ہیں :

۱) جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنے درمیان کوئی معلّم بھیجنے کی درخواست کی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "هٰذَا اَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" (یہ اِس اُمت کے امین ہیں)[۳] اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد تو صحیحین میں مروی ہے کہ :

((لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ' وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ))

"ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے' اور اِس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں۔"

۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ "آنحضرت ﷺ کو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "ابو بکر رضی اللہ عنہ"۔ پوچھا گیا کہ "اُن کے بعد کون؟" فرمایا : "عمر رضی اللہ عنہ"۔ پھر پوچھا گیا کہ "ان کے بعد کون؟" اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : "ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ"۔[۴]

۳) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (مرسلاً روایت) فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ :

((مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلاَّ لَوْ شِئْتُ لَاَخَذْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ خُلُقِهِ اِلاَّ

اَبَاعُبَیْدَۃَ)) (۵)

"تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ میں چاہوں تو اُس کے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں' سوائے ابو عبیدہ کے"۔

حضور اکرم ﷺ کی تربیت نے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہر دلعزیز اور معتبر بنا دیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد جب انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا سوال اٹھایا اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اُن سے گفتگو کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہیں سقیفہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا :

"میں تمہارے لئے اِن دو شخصوں میں سے کسی ایک کو پسند کرتا ہوں۔ تم اِن دونوں میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو"۔ (۶)

پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ لیا اور خود بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہ تھا' مسلمان آپ ہی پر متفق ہوئے' لیکن اس موقع پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد فرمائی تھیں۔ شام کے محاذ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نظر میں آپ ایک بااعتماد شخصیت اور اُن کے قابل ترین جرنیل تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شام میں جابیہ کے اردگرد کا علاقہ فتح کر کے جابیہ میں اپنی چھاؤنی بنائی' جہاں مرکز سے برابر دستے اور رسالے آ کر جمع ہوتے۔ جابیہ میں آپؓ کو اطلاع دی گئی کہ قیصر روم انطاکیہ چلا گیا ہے جہاں اُس نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا ہے اور ایسے لشکر تیار کئے ہیں جو اس کے باپ دادا یا کسی اور بادشاہ نے کبھی نہیں کئے۔ آپؓ نے صورتِ حال سے مطلع ہو کر خلیفۂ رسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا :

"مجھے خبر ملی ہے کہ شاہ روم ہرقل انطاکیہ میں فروکش ہوا ہے۔ اس نے اپنی

بیرونِ شام قلمرو سے فوجیں بلائی ہیں۔ یہ فوجیں اس کے پاس روانہ ہو چکی ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ آپ کو صورتِ حال سے مطلع کروں تاکہ آپ مناسب کارروائی کریں"۔ (۷)

خلیفۂ رسول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمہارا خط ملا، شاہ روم کی فوجی تیاریوں کا حال معلوم ہوا۔ اُس کے انطاکیہ میں قیام پذیر ہونے کے معنی ہیں کہ وہ اور اس کی فوجیں شکست کھائیں گی اور تم اور مسلمان اللہ کے فضل سے فتح حاصل کرو گے۔ تم نے یہ جو لکھا ہے کہ تم سے لڑنے کے لئے وہ اپنی ساری قلمرو سے فوجیں جمع کر رہا ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کے رونما ہونے کا ہمیں اور تمہیں پہلے سے علم تھا۔ کوئی قوم اپنا اقتدار اور اپنا ملک لڑے بغیر نہیں چھوڑا کرتی۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ بہت سے مسلمان اُن سے پہلے لڑ چکے ہیں جن کو موت اتنی پیاری تھی جتنی اُن کے دشمن کو زندگی۔ جو جان کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ سے "اجر عظیم" کے طالب تھے، جو جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی باکرہ بیویوں اور عمدہ اونٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، جن کا ایک مرد جنگ میں مشرکوں کے ہزار آدمیوں سے بہتر تھا۔ ان جان نثاروں کی مثال سامنے رکھ کر اپنی فوج سے اُن کا مقابلہ کرو اور تعداد کی کمی سے نہ گھبراؤ! اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ پھر بھی ان شاء اللہ میں تمہارے پاس اتنی رسد بھیجوں گا جس سے تم مطمئن ہو جاؤ گے اور جس سے زیادہ کی تم کو خواہش نہ رہے گی۔ والسلام علیک"۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجنے اور شام میں موجود فوج کی کمان اُن کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اُن کے بااعتماد جرنیل تھے مگر حضرت خالد بن ولید کو نومسلم ہونے کے باوجود اُن کی جنگی صلاحیت کے باعث حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی گئی، کیونکہ وہ نہ صرف شامیوں کی لڑائی کے فن، تجربہ اور جنگی چالوں کو بخوبی سمجھتے تھے بلکہ خود اعتمادی کے زیور سے بھی آراستہ تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے فرمان کا مضمون یہ تھا :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ واضح ہو کہ میں نے شام میں رومیوں سے لڑائی کی کمان خالد کو دے دی ہے، تم اُن کی مخالفت نہ کرنا، اُن کی بات ماننا اور اُن کی

رائے پر عمل کرنا۔ میں نے یہ جانتے ہوئے کہ تم خالد سے بہتر ہو' اُن کو تمہارا افسرِاعلیٰ بنا دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو جنگی معاملات کی تم سے زیادہ سمجھ بوجھ ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمہیں سیدھے راستے پر گامزن رکھے' السلام علیک ورحمۃ اللہ"۔

ربیع الاوّل ۱۳ ہجری میں تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنا عہدہ سنبھالنے کیلئے شام روانہ ہوئے۔ چونکہ وہ نومسلم تھے جبکہ اس کے برعکس حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مہاجرین اوّلین اور رسول اللہ ﷺ کے عزیز ترین ساتھیوں میں سے تھے' اُن کی خدمات جنگ اور امن کی حالت میں شاندار تھیں' عادات و اطوار پسندیدہ تھے' رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں اُن کو خاص امتیاز حاصل تھا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اُن کا احترام کرتے تھے' لہٰذا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس خیال سے غیرت آئی کہ وہ افسر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جیسی بھاری بھرکم شخصیت اُن کے ماتحت ہو۔ اس احساس کے زیرِ اثر انہوں نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو عزت و احترام سے بھرپور خط لکھا' جس میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا احترام و ادب جھلکتا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ابوعبیدہ بن الجراح کی خدمت میں خالد بن ولید کی طرف سے سلام علیک۔ میں اس معبود کا سپاس گزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ خدا سے التجا ہے کہ قیامت کے دن مجھے اور آپ کو دوزخ کی سزا سے امان میں رکھے اور دنیا میں آزمائشوں اور مصیبتوں سے۔ خلیفۂ رسول اللہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا فرمان موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے حکم دیا ہے کہ شام جاکر وہاں کی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لوں۔ بخدا میں نے نہ تو اس عہدہ کی درخواست کی نہ خواہش اور نہ اُن سے اس بارے میں کوئی خط و کتابت کی۔ آپ پر خدا کی رحمت۔ (میرے سالارِ اعلیٰ ہونے کے باوجود) آپ کی حیثیت وہی رہے گی جو تھی۔ آپ کے کسی حکم کو ٹالا نہ جائے گا' نہ آپ کی رائے اور مشورہ کو نظرانداز کیا جائے گا اور نہ آپ کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ ہوگا۔ آپ مسلمانوں کی ایک برگزیدہ شخصیت ہیں' نہ تو آپ کے فضل سے انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ آپ کی رائے سے بے پرواہی برتنا ممکن ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ

اپنی مہربانیوں کو پایہ تکمیل تک پہنچادے گا اور مجھے اور آپ کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے' والسلام علیکم ورحمتہ اللہ"

ان خطوط سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ آپ محمدؐ عربی ﷺ کی نظر میں محبوب' ان کے خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر میں محبوب اور قابل اعتماد اور اپنے ساتھی صحابہ کی نظر میں انتہائی قابل احترام اور بزرگ صحابی تھے۔ دوسری طرف آپ نے اطاعت امیر میں بھی مثالی رویہ اختیار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ ہجری کو مسلمانوں نے بیعت عامہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں آپ کو پھر سالارِ لشکر بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو سالارِ لشکر بنانے کے لئے مشورہ میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں۔ اس مشاورت میں ہمیں خلافت میں اظہارِ رائے اور مشاورت کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ مشورہ دینے والا ایک عامی ہے۔ دورِ خلافتِ راشدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے اس نظام میں عوام انتہائی جرأت مند اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بے باک تھے' اور اس بات میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے کہ وہ کسی بڑے سالار سے مخاطب ہیں یا خلیفہ سے۔ خلیفہ کی جس بات میں وہ تشنگی محسوس کرتے اس کا برملا اظہار کرتے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ :

"مَیں خالد بن ولید کو لشکر اسلام کی امارت سے معزول کر کے ان کی جگہ ابوعبیدہ کو سپہ سالارِ عساکر اسلام مقرر کرتا ہوں"۔

تو اس پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قوم بنی مخزوم میں سے ایک نوجوان کھڑا ہوتا ہے اور اپنا اعتراض بیان کرتا ہے :

"کیا آپ ایسے شخص کو امارت سے معزول کرتے ہیں جس نے ملک شام میں اپنی قوتِ بازو سے دشمنانِ اسلام کو پامال کر کے اسلام کا نام روشن کر دیا ہے۔ انہوں نے بے شمار شہر فتح کر کے سلطنت عرب کو وسیع کیا' رومیوں کے بے شمار لشکروں کو اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ ہر موقع پر شکست دی اور رسول اللہ ﷺ کے خطاب "سیف اللہ" کو حقیقی معنوں میں ظاہر کیا۔ اگرچہ خلیفۂ اوّل کے عہد میں بھی بعض اصحاب نے خالد بن ولید کو امارت سے معزول کرانا چاہا لیکن ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ میں "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کو نیام میں نہیں رکھنا چاہتا' لہٰذا آپ بھی اپنے فیصلہ پر غور فرمائیں"۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

"مجھ پر اگرچہ آپ لوگوں نے خلافت کی امارت کا بوجھ ڈالا ہے لیکن میں اپنے آپ کو ایک چرواہے کی مانند سمجھتا ہوں' چرواہا اگر غفلت کرتا ہے تو فقط اس کو نقصان ہی نہیں پہنچتا بلکہ اس کی بازپرس بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا میں جانتا ہوں کہ اس امارت میں اپنے فرائض سے اگر کوئی قصور ہو جائے تو مجھے بارگاہ ایزدی میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہئے۔ دینی طریق عمل کے علاوہ دُنیوی طرزِ تمدن اور طریقۂ انتظام منتظم کی طبیعت پر منحصر ہے' کیونکہ ہر شخص کی طبیعت فطرتاً مختلف ہے۔

امورِ مملکت نیک نیتی اور دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق سرانجام ہونے چاہئیں۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو طبعاً خالد بن ولید پر کلی اعتماد تھا' اس لئے آپ نے ان کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا' لیکن میں خالد بن ولید کی نسبت ابو عبیدہ بن الجراح پر زیادہ مطمئن ہوں' اس لئے میں خالد بن ولید کی جگہ ابو عبیدہ کو امیر مقرر کرتا ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاصد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام حکم نامہ لے کر پہنچتا ہے اور اہلِ لشکر کے سامنے سناتا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد از حمدِ باری تعالیٰ اور درودِ مصطفیٰ' تمہارے سپرد میں نے مسلمانوں کا جو کام کیا ہے اس کام کے متعلق تم کو شرم نہیں آنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی امرِ حق سے نہیں شرماتا۔ میں تمہیں پرہیزگار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ سے ڈرتے رہنا' اُس خدائے واحد سے جس کے سوا سب نیست ہونے والا ہے' اور وہ ایسا خدا ہے جس نے تمہیں کفر و ضلالت سے نکال کر اسلام کی راہ دکھا کر تم کو نجات دی اور بہادرانِ اسلام کے سردار بننے کی عزت۔ اُسی خدا کی مہربانی سے تم خالد کو مطلع کر کے امارت سے معزول کر دو اور مسلمانوں کو مالِ غنیمت ملنے کی خوشی میں ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش نہ کرو اور نہ دشمنوں کی کثیر جمعیت کے

مقابل بہت کم تعداد بھیجو۔ میں امید رکھتا ہوں کہ تم اپنی خوش تدبیری اور معاملہ فہمی سے خدا پر بھروسہ کر کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرو گے۔ اس بات کا خیال رکھو کہ مسلمان مصائب و آلام میں مبتلا نہ ہوں۔ طمع دنیا سے آنکھیں بند اور دل کو پاک رکھو اور ان لوگوں سے سبق حاصل کرو جو لوگ تم سے پہلے مرض ہلاکت میں پڑے۔ بس تم اپنے ماتحت مسلمانوں کو بھی آخرت کے دن سے خبردار کر کے سیدھے اور صاف راستہ پر چلاؤ تاکہ آخرت میں نیکو کاری کے ثواب کا زاد راہ لے کر جائیں"۔

خلیفۂ دوم کے اس حکم کے تحت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے امیر مقرر ہوئے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ثانی کے حکم پر نہایت خوشی سے اپنا سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا:

"میں محض اسلام کا ایک سپاہی ہوں اور میں نے اپنے نفس کو خدا کی راہ میں قید کیا ہوا ہے۔ مجھے امارت یا سرداری کی کوئی تمنا نہیں ہے' میں اشاعت اسلام اور دین حق کے لئے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑوں گا اور جس سردار کی ماتحتی میں رہوں گا اس کی اطاعت مجھ پر فرض ہو گی"۔ (۸)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو امارت ملی تو انہوں نے فرض ادا کیا اور جب ان سے واپس لے لی گئی تو انہوں نے اطاعتِ امیر میں بخوشی اس حکم کو قبول کیا۔ جب آپ کو پھر امیرِ لشکر مقرر کیا گیا تو آپ نے دین حق کے ایک سپاہی کی طرح ایک بار پھر اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھایا اور شام کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر کے فرائض انجام دیئے۔

شام کا خطّہ اپنی زرخیزی' آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرا نشینوں کے لئے ایک جنّتِ ارضی سے کم نہ تھا' دوسری طرف یہاں اُس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدّن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا' لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے جو انمٹ رنگ اپنے قلب و دماغ پر چڑھا لیا تھا اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں ان کے زہد و قناعت' دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اس بات کا اندازہ ہمیں اس واقعہ سے

ہوتا ہے :

جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے تو اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ "مجھے اپنے گھر لے چلئے"۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : "آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟" لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا' گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا : "آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ' ایک پیالہ' ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے' آپ امیر شام ہیں' آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟"۔

یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھا لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو رو پڑے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "امیرالمؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اسے اپنی خوابگاہ (قبر) تک پہنچا دے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "ابو عبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا' مگر تمہیں نہیں بدل سکی"۔ (۹)

اللہ اکبر! وہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جس کے نام سے قیصر روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی' جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے' اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے' وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہا تھا ـــــــ دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل و رسوا کسی نے کیا تو وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جان نثار تھے ؎

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی!

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو نبی صادق و مصدوق

ﷺ کی زبانِ مبارک سے اپنے جنّت میں جانے کی بشارت سن چکے تھے' اور آنحضرت ﷺ کی کسی خبر پر ادنیٰ تردّد کا بھی ان کے یہاں کوئی سوال نہ تھا۔ اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ :

وددتُ انّی کنتُ کبشًا' فیذبَحنی اهلی فیأکلون لحمی ویحسون مرقی [10]

"کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا' میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قدر دان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا کہ "اگر ابو عبیدہ کی زندگی میں میرا وقت آگیا تو مجھے کسی سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں' میں ان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے نامزد کر جاؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس نامزدگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں عرض کر سکوں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے' اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں"۔ [11]

جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمہ اجل بنے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے :

سلامٌ علیک' اما بعد' فانه قد عرضتُ لی الیک حاجةٌ ارید ان اشافهک بها' فعزمتُ علیک اذا نظرتَ فی کتابی هٰذا ان لا تضعه من یدک حتی تقبل الیّ

"سلام کے بعد' مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں' لہٰذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ میرا یہ خط دیکھیں تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھتے ہی فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔"

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اطاعت امیر کے ساری زندگی پابند رہے' لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شدید ضرورت (جس کے لئے مجھے مدینہ منورہ بلایا ہے)

صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں' چنانچہ یہ خط پڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا :

عرفتُ حاجةَ امیر المؤمنین' اِنه یرید ان یستبقی مَن لیس بباقٍ

"میں امیرالمؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا' وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا :

یا امیرَ المؤمنین انِی قد عرفتُ حاجتکَ الیَّ وانی فی جُندٍ من المُسلمین لا اَجِدُ بنفسی رغبةً عنهم فلستُ ارید فراقَهم حتّٰی یقضی اللّٰه فیَّ وفیهم امره وقضاه' فَخَلِّنی من عزیمتک یا امیر المومنین ودعنی فی جندی۔

"امیرالمؤمنین' آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے' لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا' لہٰذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اُس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرمادیتا۔ لہٰذا امیرالمومنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرمادیجئے اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آگئے۔ جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا : "کیا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "ہوئی تو نہیں' لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے"۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط لکھا :

سلام علیک' اما بعد فانِک انزلتَ النّاس ارضا عمیقة' فارفعهم الٰی ارض مرتفعة نزهة

"سلام کے بعد' آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے' اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جائیے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔"

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ امیرالمؤمنین کا یہ خط آیا ہے' اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جاسکے۔ مَیں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لئے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں' مَیں نے واپس آکر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ اس پر انہوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا' ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا' اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔ [۱۲] رضی اللّٰہ عنه وارضاہ !

حواشی

۱) الاصابہ للحافظ ابنِ حجر' ج ۲' ص ۲۴۴
۲) المستدرك للحاكم ص ۲۶۶' ج ۳ و طبقات ابن سعد' ج ۳' ص ۲۹۸
۳) الاصابہ' ج ۲' ص ۲۴۳ بحوالہ مسند احمد
۴) جامع الترمذی' ابواب المناقب' ح ۳۶۵۷ و سنن ابن ماجہ' مقدمہ' ح ۱۰۲
۵) المستدرك للحاكم' ج ۳' ص ۲۶۶' والاصابہ للحافظ' ج ۲' ص ۲۴۴
۶) تاریخ یعقوبی' جلد ۲' ص ۱۳۷
۷) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط
۸) اسلام کے چار عظیم جرنیل' حفیظ اللہ
۹) سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۱' ص ۱۷۔ بحوالہ سنن ابی داؤد بروایۃ ابن الاعرابی۔ اس واقعے کا اختصار امام ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء ج ۱' ص ۱۰۱ و ۱۰۲' مصنف عبدالرزاق (حدیث : ۲۰۶۲۸) اور امام احمدؒ کی کتاب الزہد ص ۱۸۴ میں بھی مروی ہے۔
۱۰) سیر اعلام النبلاء ج ۱' ص ۱۸ و طبقات ابنِ سعد' ج ۳' ص ۳۰۰۔
۱۱) مسند احمد ج ۱' ص ۱۸ و مستدرك حاكم' ج ۳' ص ۲۶۸۔
۱۲) اس پورے واقعے کے لئے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر' ج ۷' ص ۷۸ وسیر اعلام النبلاء' ج ۱' ص ۱۸' ۱۹ و مستدرك حاكم' ج ۳' ص ۲۶۳۔

سیرت وسوانح

مولانا سیّد سلیمان ندویؒ کے علمی کارنامے

تحریر : عبدالرشید عراقی

مولانا سید سلیمان ندوی اپنے دور کے ایک جید عالم دین تھے اور اس کے ساتھ عربی' فارسی اور اردو کے بلند مرتبہ ادیب تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر مذہبی و دینی' علمی و تحقیقی' تاریخی و تنقیدی مقالات الندوہ لکھنؤ' الہلال کلکتہ اور معارف اعظم گڑھ میں لکھے اور سارے ملک سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ آپ نے جو کتابیں لکھیں اُن پر بھی برصغیر پاک و ہند کے نامور اہل علم و قلم نے ان کی تعریف و توصیف کی۔ سیرۃ النبی ﷺ' تاریخ ارض القرآن' سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا' حیاتِ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حیاتِ شبلی ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ سید صاحب نے بعض مقالات اتنے طویل لکھے کہ وہ سید صاحب کی زندگی میں کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ مثلاً رسالہ اہل سنّت و الجماعت' خواتین اسلام کی بہادری' دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت اور خلافت اور ہندوستان وغیرہ

مولانا سید سلیمان ندوی کی پہلو دار شخصیت ان کی علمی و ادبی تصنیفات اور تاریخی و تنقیدی اور تحقیقی مقالات سے مکمل طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ سید صاحب اپنے تبحر علمی اور فضل و کمال کے ساتھ جامع الصفات و الکمالات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت مفسر بھی تھے اور محدث بھی' فقیہہ بھی تھے اور مؤرخ بھی' محقق بھی تھے اور ادیب بھی' معلم بھی تھے اور متکلم بھی' نقاد بھی تھے اور مبصر بھی' خطیب بھی تھے اور مقرر بھی' مصنف بھی تھے اور صحافی بھی' شاعر بھی تھے اور صوفی بھی۔ اور سب سے بڑھ کر آپ ایک بلند پایہ سیرت نگار بھی تھے۔ ادب و تنقید کا میدان ہو یا تاریخ و سیر کا' سیاسی موضوعات ہوں یا دقیق علمی بحثیں' وہ ہر میدان کے غازی تھے اور ان کا اشہب قلم یکساں جولانی دکھاتا تھا۔

یوں تو سید صاحب کی تمام تصانیف سند کی حیثیت رکھتی ہیں' لیکن آپ نے بہت سے قومی و ملی جلسوں میں جو علمی و تحقیقی مقالات پڑھے وہ آپ کے ذوق تحقیق اور وسعتِ مطالعہ کا آئینہ دار ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) خطباتِ مدراس (اکتوبر ۱۹۲۵ء) ۲) عرب و ہند کے تعلقات (مارچ ۱۹۲۹ء)
۳) خیام (دسمبر ۱۹۳۰ء) ۴) عربوں کی جہاز رانی (مارچ ۱۹۳۱ء)
۵) لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا۔ (اپریل ۱۹۳۳ء)

خطباتِ مدراس

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں مدراس مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی دعوت پر سیرۃ النبی ﷺ کے موضوع پر آٹھ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سیرۃ النبی ﷺ کا جوہر اور عطر ہیں۔ سید صاحب نے ان خطبات میں سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے :

۱) انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے۔
۲) عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔
۳) سیرۃ نبویؐ کا تاریخی پہلو ۴) سیرۃ نبویؐ کی کاملیت
۵) سیرۃ نبویؐ کی جامعیت ۶) سیرۃ نبویؐ کی عملیت
۷) اسلام کے پیغمبر کا پیغام ۸) ایمان اور عمل

یہ خطبات سید صاحب کے وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق کا آئینہ دار ہیں۔ یہ خطبات پہلی بار ۱۹۲۶ء میں منصہ شہود پر آئے۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ سعید الحق ویسنوی نے "LIVING PORPHET" کے نام سے اور عربی ترجمہ مولانا محمد ناظم ندوی نے "الرسالة المُحمّدية" کے نام سے کیا۔ یہ دونوں ترجمے مطبوع ہیں۔

عرب و ہند کے تعلقات

مارچ ۱۹۲۹ء میں سید صاحب نے ہندوستان اکیڈیمی الہ آباد کی دعوت پر "عرب و ہند کے تعلقات" کے موضوع پر پانچ خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سید صاحب کی تحقیقات اور وسعتِ معلومات کا مظہر ہیں۔ اور یہ خطبات تلاش و تحقیق، محنت و کاوش اور حجت و استدلال کے اعتبار سے بے مثل سمجھے جاتے ہیں۔ ان خطبات میں عرب و ہند کے تعلقات کے ایسے ایسے گوشے بے نقاب کئے گئے ہیں جو اب تک نگاہوں سے مخفی تھے۔ سید صاحب نے جن عنوانات کے تحت یہ خطبات ارشاد فرمائے ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) تعلقات کا آغاز اور ہندوستان کے عرب سیاح
۲) تجارتی تعلقات ۳) علمی تعلقات
۴) مذہبی تعلقات ۵) ہندوستان میں مسلمان فتوحات سے پہلے

یہ خطبات پہلی بار ہندوستان اکیڈمی نے ۱۹۳۰ء میں کتابی شکل میں شائع کئے۔ بعد میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے بھی تین چار بار شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ سعید الحق ویسنوی نے کیا تھا جو "اسلامک کلچر" حیدر آباد دکن میں قسط وار شائع ہوا اور بعد میں پاکستان میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

خیام

دسمبر ۱۹۳۰ء میں سید صاحب نے آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں "خیام" کے نام سے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس مقالہ کو اہل علم و تحقیق نے بہت پسند فرمایا اور آپ کی وسعت معلومات اور ذوقِ تحقیق کی خوب داد دی۔ سید صاحب نے اس میں رباعیات کا اضافہ کر کے ایک مستقل کتاب بنا دی۔ اس میں پہلی مرتبہ خیام کو ایک شاعر اور رند کے بجائے ایک فاضل، حکیم اور فلسفی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اس کی رباعیات کی تحقیق کی گئی ہے۔ سید صاحب نے اس کتاب پر کئی سال محنت کر کے اس کو مکمل کیا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۳ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ جب یہ کتاب علامہ اقبال کے پاس پہنچی تو انہوں نے سید صاحب کو لکھا:

> "عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔"

سید صاحب نے اس کتاب میں تین باب قائم کئے ہیں:

۱) سوانح خیام کے مآخذ و مصادر پر ناقدانہ تبصرہ
۲) مشہور داستان معاصرت کی تنقید

(وطن، نام و نسب، اخذ و استفادہ، فضل و کمال، خیام ابو طاہر کی تربیت میں، خیام ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں، خیام ملک شاہی رصد خانہ میں، وفات، قبر، تلامذہ، تصنیفات، شاعر خیام، فارسی رباعیات، عمر خیام کا مذہب، خیام کا مشرب و مسلک، جعلی خیام، خیام کی شراب)

۳) استدراک و اضافہ

عربوں کی جہاز رانی

مارچ ۱۹۳۱ء میں مولانا سید سلیمان ندوی نے حکومت بمبئی کے شعبہ تعلیم کی فرمائش پر "عربوں کی جہاز رانی" کے موضوع پر انجمنِ اسلام ہال بمبئی میں چار خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات سید صاحب کی ذہانت، قوتِ حافظہ، ذوقِ تحقیق اور وسعت معلومات کے آئینہ دار ہیں۔ یہ خطبات بمبئی کے اردو اخبارات نے شائع کیے۔ انگریزی اخبارات نے بھی ان خطبات کے اقتباسات انگریزی میں ترجمہ کرکے شائع کیے اور سید صاحب کے تلاش و جستجو اور تحقیق کی داد دی۔

سید صاحب کے خطبات کے عنوانات یہ تھے :

۱) زمانہ جاہلیت اور اسلام میں عربوں کی جہاز رانی، ان کی زبان میں بحری الفاظ کی کثرت، اشعارِ عرب اور قرآن پاک میں بحری سفر کے حوالے۔

۲) عربوں کی دنیا کے سمندروں سے واقفیت، اور ان کے بحری سفروں کی انتہائی منزلیں اور بعض بحری انکشافات۔

۳) عربوں کے سامان و آلات جہاز رانی۔

۴) عربوں کی بحرمحیط کو عبور کرنے کی کوششیں اور امریکہ تک پہنچنے کے امکانات۔

یہ خطبات کتابی شکل میں دو بار اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی نے شائع کیے اور تیسری بار ۱۹۳۵ء میں دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئے۔ ان خطبات کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔

لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپریل ۱۹۳۳ء میں ادارہ معارف اسلامیہ لاہور کے سالانہ اجلاس میں ایک تاریخی و تحقیقی مقالہ بعنوان "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا" پڑھا۔ اس مقالہ میں سید صاحب نے بڑی تلاش و جستجو اور مستند شہادتوں سے استدلال کرتے ہوئے بتایا کہ تاج محل کا معمار درحقیقت نادر العصر استاد احمد معمار ہے جو ہندسہ، ہیئت اور ریاضیات کا بڑا عالم تھا۔

اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی تھی۔

خطبہ ہائے صدارت

مولانا سید سلیمان ندوی نے مختلف قومی' تعلیمی اور ادبی انجمنوں کے اجلاس میں مختلف اوقات میں صدارتی خطبات ارشاد فرمائے۔ یہ خطبات ان کے وسعت معلومات اور ادبی ذوق کا آئینہ دار ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے :

۱) خطبہ صدارت اجلاس شعبہ ترقی اُردو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ پونا' ۱۹۱۵ء

۲) خطبہ صدارت ہندوستانی اکیڈمی (پانچویں اُردو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ) ۱۹۳۰ء

۳) خطبہ صدارت شعبہ اردو مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ' ۱۹۳۹ء

دو تحقیقی کتابیں

(۱) ارض القرآن (۲ جلد) (۲) حیاتِ شبلی

مولانا سید سلیمان ندوی ایک بلند پایہ محقق تھے۔ ان کی تحقیق کا مغربی مستشرقین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ آپ کی دو کتابیں "ارض القرآن" اور "حیاتِ شبلی" ان کے ذوقِ تحقیق اور وسعت معلومات اور تلاش و جستجو کا آئینہ دار ہیں۔

ارض القرآن

سید صاحب جب "الہلال" کلکتہ سے دکن کالج پونا میں عربی و فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر گئے تو پونا کے قیام میں آپ نے اس اہم تصنیف کا آغاز کیا۔

اس کی جلد اوّل میں قرآن مجید کی تاریخی آیات کی تفسیر' سرزمین قرآن (عرب) کا جغرافیہ اور قرآن میں جن عرب اقوام و قبائل کا تذکرہ ہے ان کی تاریخی اور اثری تحقیق شامل ہے۔ یہ پہلی بار ۱۹۱۵ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی۔ دوسری جلد میں بنو ابراہیم کی تاریخ اور عربوں کی قبل اسلام تجارت' زبان اور مذہب پر حسب بیان قرآن مجید و تطبیق آثار و توراۃ و تاریخ یونان و روم تحقیقات و مباحث ہیں۔ یہ پہلی بار ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں :

"ارض القرآن در حقیقت سیرۃ النبی جلد اوّل کا مقدمہ ہے' جس میں عرب قدیم

کے حالات تحریر کئے گئے تھے، مگر یہ طویل زیادہ ہوگیا' اس لئے اس کا صرف خلاصہ سیرت میں لیا گیا ہے۔" (حیاتِ سلیمان' ص ۶۷)

ارض القرآن کا انگریزی ترجمہ مولوی مظفر الدین ندوی نے ۱۹۳۶ء میں کیا۔ انگریزی ترجمہ بھی مطبوع ہے۔

حیاتِ شبلی

مولانا شبلی نعمانی نے جہاں اپنے لائق تلمیذ کو سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل کی وصیت کی تھی وہاں یہ بھی وصیت کی تھی کہ میری سوانح عمری بھی لکھنا۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کی دونوں وصیتیں پوری کیں' سیرۃ النبی ﷺ کی بھی تکمیل کی اور ان کی سوانح عمری بھی لکھی۔ برصغیر پاک و ہند میں بے شمار اہل علم و قلم نے مختلف مشاہیر اور اکابرین کی سوانح عمریاں لکھیں' جن کی اگر تفصیل بیان کی جائے تو مقالہ کے طویل ہونے کا خوف ہے' تاہم مشہور سوانح عمریوں میں مولانا الطاف حسین حالی کی تین سوانح عمریاں بہت مشہور و معروف ہیں : یادگارِ غالب' حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید (سرسید احمد خان کی سوانح عمری)۔ ان کے علاوہ قاضی عبدالغفار کی حیاتِ اجمل' مولوی محمد امین زبیری کی حیاتِ محسن اور مولوی اکرام اللہ ندوی کی حیاتِ وقار اردو ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد کی سوانح عمری "حیاتِ شبلی" لکھی۔ یہ صرف مولانا شبلی نعمانی کی سوانح عمری نہیں ہے بلکہ مسلمانانِ ہند کے پچاس برس کے علمی' ادبی' سیاسی' تعلیمی' مذہبی اور قومی واقعات کی مستند تاریخ ہے۔ سید صاحب نے یہ کتاب اس قدر محنت اور تحقیق سے لکھی ہے کہ صاحب سوانح کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تشنہ نہیں رہ گیا ہے۔ اس کے ایک ایک کارنامہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ برصغیر کے ممتاز اہل قلم نقادوں نے اس کتاب پر بہترین تبصرے کئے اور سید صاحب کی محنت اور تحقیق کی داد دی۔ پروفیسر عبدالقیوم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ :

"مولانا حالی نے حیاتِ جاوید لکھ کر اپنے سر پر تاج پہن لیا تھا' لیکن مولانا سید سلیمان ندوی نے حیاتِ شبلی لکھ کر حالی کے سر سے تاج چھین لیا"۔

حیاتِ شبلی سید صاحب نے اڑھائی سال میں مکمل کی۔ اور یہ ۸۲۶ صفحات پر مشتمل ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

KT

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTORS
NTN
BEARINGS

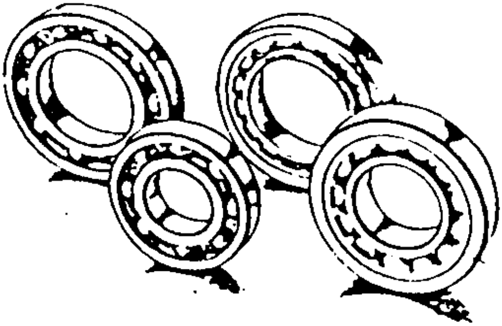

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 ***Phones*** : 7732952 - 7730595 ***Fax*** : 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY,*** 64 A-65
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING